امتِ مسلمہ (ہند) امرتسر کا ماہوار رسالہ

البیان

نمبر ۳	اپریل ۱۹۴۶ء	جلد ۷

جِنّ

سارے قرآن کے مطالعے کے بعد جن کی
حقیقت کے متعلق ـــــــ آخری فیصلہ
اور عصرِ حاضر کی علمی و تجربی
تحقیقات کا ـــــــ آخری نتیجہ

سالانہ تین روپے
فی پرچہ چار آنے

ہمارا کتب خانہ

علوم اسلام اور انکار حجیت حدیث

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث مسلمانوں کے لیے شرعی حجت نہیں ہو سکتی۔ عرصے سے یہ کتاب نایاب تھی۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

اقبالؒ کی پیش گوئیاں

اس رسالے میں علامہ اقبالؒ کے کلام سے وہ اشعار انتخاب کر لیے گئے ہیں، جن کا تعلق موجودہ حالات اور آئندہ زمانے سے ہے۔ ۴ر

ملت ابراہیمؑ

ابراہیمی صحیفے جو اس وقت دنیا میں ناپید ہیں مؤلف نے بڑی محنت سے قرآن مجید سے نکال کر بالتشریح بیان کیے ہیں۔ اس میں آپ کو سیدنا ابراہیمؑ کی مکمل سیرت نظر آئے گی۔ ۵ر

تحقیق قربانی

آغاز کتاب میں علامہ اسلم جیراجپوری کا عالمانہ دیباچہ ہے۔ اصل کتاب میں قربانی کی قدیم تاریخ اور قرآن مجید سے رسم قربانی کے اصلاحی بیانات پوری تحقیق سے قلم بند کیے گئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ قربانی کا اصل مقام صرف خانہ کعبہ ہے۔ ۸ر

قول احسن

اس کتاب میں قرآن مجید کی نصوص صریحہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف مسلمان کہلانا چاہیے۔ شیعہ، سنی، حنفی، وہابی اور چکڑالوی وغیرہ نام منشائے قرآن کے خلاف ہیں اور ان سے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے۔ تیسرا ایڈیشن ۴ر

جواہر العلوم

علامہ طنطاوی مصری کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہے، جس میں عہد حاضر کے علوم کو سامنے رکھ کر بعض آیات کی سائنٹیفک تفسیر کی گئی ہے۔ قیمت تین روپے۔

پیام امین

مغرب کے مشہور سائنسدانوں مفکروں اور ادیبوں کے اعترافات قرآن حکیم کی صداقت کے متعلق کہ یہ کتاب واقعی نوع انسان کی بہترین راہنما ہے۔ آپ بھی اس دلچسپ، مفید اور مؤثر کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ قیمت عار

جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (انعام ۱۰۱)

ان لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے

جِنّ

سارے قرآن کے مطالعے کے بعد جنّ کی

حقیقت کے متعلق —— آخری فیصلہ

اور عصر حاضر کی علمی و تجربی

تحقیقات کا —— آخری نتیجہ

عرشی

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنّ

ایک مسرت کی تقریب پر مدعو اصحاب جمع ہو رہے تھے۔ مجھے مجلس کے ایسے گوشے میں جگہ ملی، جہاں انجینیئر، بیرسٹر، وکیل وغیرہ تعلیم یافتہ اور مہذب افراد بیٹھے تھے، حضرت انسان کی قدیم "خیالی مخلوق" جن بھوت وغیرہ پر "مشاعرہ" ہو رہا تھا، ہر شخص ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی دیدہ یا شنیدہ "غزل" پیش کر رہا تھا، میں ایک "طائر زیر دام" کی طرح سہما ہوا، ان "داناؤں" کی نادانیوں پر اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا ——— یہ لوگ مسلمان ہیں، خیرِ اُمت ہیں، جدید تعلیم کے زیور سے لدے ہوئے، سائنس اور تجربے کی محسوس و مشہود دنیا میں بس رہے ہیں۔ یہ دنیا جس میں سمندروں کی تہیں کھنگالی جا رہی ہیں، صحراؤں کی وسعتیں ناپی جا رہی ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کو پامال کیا جا رہا ہے، بلکہ آسمان کے ستاروں کے فاصلے اور روشنی کی شعاعوں کی رفتار تک کی پیمائش کر لی گئی ہے ——— نوعِ انسان کو وہم و وسواس کی غلامی سے چھڑانے والے محمد (صلعم) کے نام لیوا ابھی تک ایک ایسی مستقل مخلوق کو مان رہے ہیں، جس کا ہر فرد تخمیناً خدا ہی کی طرح "علیٰ کل شئ قدیر" ہے۔[1]

---

[1] معاذاللہ۔

یعنی ان کے نزدیک "جن" کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ بیل، بکری، بھیڑ، سانپ، مکھی، چیل، کوا وغیرہ جو چاہے بن جائے اور پھر عورت، مرد وغیرہ جس کے جسم میں چاہے داخل ہو کر اس کی تمام قوتوں پر مسلط ہو جائے، جتنا بھاری بوجھ چاہے اٹھالے اور جہاں چاہے لے جائے، اس کے لیے زمان و مکان کے فاصلے کوئی چیز نہیں، اس کی راہ میں کوئی سقف و دیوار، قلعہ و فصیل اور قفل و در حائل نہیں۔ وہ ایک ہی سیکنڈ میں یورپ، امریکہ، افریقہ وغیرہ تمام براعظموں اور فضاؤں کی سیر کر کے واپس آسکتا ہے۔ اس کی عمر ہزاروں سال تک طویل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ ——— اس قسم کی "سماواتی" گفتگوؤں کے خاتمے پر ایک صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا، "کچھ موجودہ حالات (الیکشن، لیگ، پاکستان وغیرہ) کے متعلق فرمائیے، مسلمانوں کو کہاں تک کامیابی ہوگی؟"

میں جلا بھنا تو بیٹھا ہی تھا جھٹ سے بول اٹھا ——— "جب تک ہم میں ایسے بزرگ موجود ہیں، جن کے دماغوں پر "جن" چھائے ہوئے ہیں اور جن کے تخیلات بھوتوں کی بستیاں ہیں، مسلمانوں کی کامیابی کی امید رکھنا فضول ہے۔"

میری اس جلی کٹی پر وہ "مومنین صالحین" میری "بے ایمانی" پر حیرت زدہ ہو گئے۔ ہونا بھی چاہیے تھا، میں اُن کے اپنے اور اُن کے معتبر بزرگوں کے مشاہدات کو جھٹلا رہا تھا۔ آخر بے شمار محدثوں، مفسروں، موزخوں، صوفیوں، عالموں، فقیہوں، فریسیوں، پنڈتوں، پادریوں، مشہور مصنفوں اور سریلے واعظوں کے مقابلے میں میری ہستی ہی کیا تھی، تاہم میں نے ہمت نہ ہاری، نگاہوں کی حیرت اور زبانوں کے اعتراضات کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔

میں نے کہا "اگر ہمارے اسلاف (رضوان اللہ علیہم) جن، بھوت وغیرہ وہمی مخلوق سے دبنے والے ہوتے، تو وہ عرب سے باہر ہی نہ نکل سکتے، سلاطین عالم ان کے نام سے لرزہ براندام نہ ہوتے، عظیم الشان حکومتوں کے خزانوں کی کنجیاں ان کے پاؤں کو بوسہ نہ دیتیں ——— اور اس زمانے کے غیر مسلم فاتحین جو سات سمندر پار کر کے ہمارے ہی ملک میں ہم کو بھیڑ بکری کے گلوں کی طرح جدھر چاہتے ہیں، ہانک کر لے جاتے ہیں۔ اگر جن، پری کے غلام ہوتے، تو ممکن نہ تھا کہ اس مقام کو حاصل کر لیتے، آخر یہ کیا مصیبت ہے کہ جہاں بھی سائنس، علم اور حکومت کی روشنی پہنچتی ہے وہاں سے جناتی ظلمت کافور ہو جاتی ہے اور جہاں غلامی، جہالت اور وہمی مذہب کا دَور دَورہ ہو، وہاں کے ضعیف العقیدہ مردوں اور جاہل عورتوں کے اندر جن گھسے رہتے ہیں؛ برائے خدا آپ لوگ اپنے جنوں کو اپنے ہی اندر رہنے دیں اور اپنی آئندہ نسلوں پر رحم کریں۔ ان کو اس خوفناک روحانی جذام سے بچائیں۔

——— آخر آپ کے اتنی قوتوں والے جن جو بقول آپ کے مسلمان بھی ہوتے ہیں، مشائخ و علماء کے معتقد بھی ہوتے ہیں، اس ملک کو بدمذہب اور بدیشی حکومت کی نجاست سے پاک کیوں نہیں کرتے؟ مشائخ کرام، مسلمانوں بالخصوص اپنے مریدوں کی ذلیل حالت کو دیکھتے ہوئے اپنے معتقد یا زیر اثر جنات سے کیوں کوئی کام نہیں لیتے؟ جس وقت بغداد، اندلس اور دہلی میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، اسلامی پرچم نگوں ہو رہا تھا، دنیا کی قسمت کی کنجیاں اہلِ اسلام کے ہاتھ سے نکل کر اعدائے اسلام کے ہاتھوں میں جا رہی تھیں، اُس وقت خدائی طاقتیں رکھنے والے جنوں کے لشکر کہاں تھے؟ ——— اگر جن کا یہی مطلب ہے

جو آپ سمجھ رہے ہیں تو بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کسی جنگ میں انھوں نے کوئی امداد کی؟ حالاں کہ جہاد میں فرشتوں کی شرکت قرآن سے ظاہر ہے!

مَیں یہ جانتے ہوئے کہ میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ جو خیال میں آیا کہتا رہا ——— اب مَیں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو کس طرح سمجھایا جائے، جو نہ تو کوئی عقلی دلیل سنتے ہیں اور نہ ہی قرآنی دلیل کو قبول کرتے ہیں؟"

یہ تحریر خاکہ ہے ایک محترم کی تقریر کا، جو میرے دماغ نے تیار کیا ہے۔ مَیں نے اپنے ناظرین کی خاطر اس کو مرتب صورت میں پیش کیا ہے اور کئی جگہ اپنی طرف سے تفصیلی اضافے بھی کیے ہیں، ان کے جواب میں اس وقت مَیں نے جو کچھ عرض کیا، اُسے بھی یہاں باقاعدہ اور مفصل ہی پیش کروں گا، تاکہ تمام ایسے دوست جن کے دل میں اس مبحث کے متعلق مختلف قسم کے خدشات اُٹھتے رہتے ہیں۔ شریکِ بزم ہو سکیں۔

جنّ کی حقیقت پر غور کرنے کے لیے ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ قرآن اور صحیفۂ فطرت۔ تیسری کوئی راہ نہیں، جسے عقل قبول کر سکے۔ قرآن پر ہمیں ایمان لانا ہو گا کہ وہ عقلِ کامل کی تصنیف ہے، اس میں غلطی محال ہے، صحیفۂ فطرت یا عالمِ مشاہدات کو ہم جھٹلا نہیں سکتے کہ وہ صانع حکیم کی تخلیق ہے، اس میں بدنظمی کو راہ نہیں۔ (هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ[1]) ——— اگر ہم پہلے سے کوئی عقیدہ لے کر قرآن کے اندر گھسنا چاہیں تو قرآن ہمیں اپنے سراپردہ حقیقت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے گا ——— قرآن کے بعد جتنی کتابیں تصنیف ہوئیں، وہ لغت کی ہوں یا تفسیر کی، سب کی سب کم یا زیادہ، غیر الٰہی اثرات سے ضرور ہی متاثر ہوئیں اور یہ ہوتا ہی تھا۔ آخر بشر بشر

---

[1] اس میں کوئی بگاڑ ممکن نہیں۔ (سورۂ ملک۔ ۳)

ہی تو ہے۔ ظلم تو یہ ہوا کہ بشری روایات و خیالات کو مستند سمجھ لیا گیا ــــــ یہ ہے ہر بھول کی ابتدا ــــــ آج ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن ابھی ابھی اُترا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں خود اسی کے اندر سے مدد لینا ہوگی۔ زیرِ غور آیات کے سیاق و سباق کو دیکھنا ہوگا۔ خارجی امداد ہم اسی حد تک لے سکیں گے، جہاں تک قرآن اور صحیفۂ فطرت اجازت دیں گے اور بس ــــــ اس اندازِ فکر کے ساتھ میں جن سے متعلق تمام آیات کو قرآنی ترتیب کے مطابق پیش کروں گا اور ساتھ ہی ساتھ اُن سے جو کچھ سمجھوں گا عرض کرتا جاؤں گا۔

اے اللہ! مجھے اپنی کتاب کا صحیح فہم عطا فرما اور میری دعا قبول کر!

سورۂ انعام میں جن اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں جن کا ذکر سورۂ انعام میں ملتا ہے:

۱۔ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ۔ (انعام۔ ۱۰۱)	ان لوگوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھیرایا، حالاں کہ وہ خدا کی مخلوق ہیں۔
۲۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (انعام۔ ۱۱۳)	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انس و جن کے شیطانوں کو دشمن بنایا، ان میں سے بعض، بعض کی طرف فریب دینے کے لیے کلام کی ملمع کاریوں کے اشارے کرتے رہتے ہیں۔
۳۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ	جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (جزا کے لیے) جمع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں اے جنوں کے گروہ تم نے (عام) انسانوں میں بہت سے لے لیے" اور ان انسانوں میں سے ان (جنوں)

وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ۔ (انعام-۱۲۹)

کے دوست کہتے ہیں: "ہم نے آپس میں ایک دوسرے فائدہ اٹھایا ہے اور ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے، جو آپ نے ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا" ارشاد ہوتا ہے "آگ تمہارا ٹھکانا ہے۔"

۴۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ۝ (انعام-۱۳۱)

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تم میں سے رسول نہ آئے تھے جو تم پر میری (اللہ تعالیٰ کی) آیتیں بیان کرتے اور تم کو تمہارے اس روز (جزا) کی ملاقات سے ڈراتے تھے" جواب میں کہتے ہیں "ہم اپنے نفسوں کے خلاف گواہی دیتے ہیں" اور ان کو دنیوی زندگی نے دھوکا دیا اور انھوں نے اپنی جانوں کے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔

یہ چاروں آیتیں تھوڑے فاصلے پر سورہ انعام میں آئی ہیں۔ ان میں چار لفظ قابلِ غور ہیں:

۱۔ شیطان ——— ہر سرکش کو کہتے ہیں، جن ہو یا انسان یا حیوان۔ حسد، غضب وغیرہ ہر بُری عادت بھی شیطان ہے۔ بُری تحریک کرنے والی ہر ہستی خواہ وہ انسان ہی ہو، شیطان ہے۔

۲۔ اِنس ——— جن کا مقابل ہے، اِنسی۔ کثیر الانس، ہر مانوس شے۔ جو انسان سے علاقہ رکھتی ہو اور جو اس کے برعکس ہو، اُسے وحشی کہتے ہیں۔ انسی اور وحشی متقابل ہیں۔

۳۔ جِنّ ——— وہ ہستیاں جن کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اہلِ عرب، تیز فہم اور زُود رس آدمیوں کو بھی جن کہتے تھے، جن الناس کے معنی ہیں آدمیوں

میں پڑا۔

۴۔ معشر ـــــــ اس جماعت کو کہا جاتا ہے، جن کا معاملہ یا معاشرت ایک ہو، جیسے معشر المسلمین۔

یہ تشریح، خلاصہ ہے مفرداتِ راغب، لسان العرب وغیرہ کتبِ لغت کا ــ اب آئیے آیات کی طرف۔

پہلی آیت کہہ رہی ہے کہ مشرک لوگ جنوں سے مرعوب ہیں، یہاں تک کہ انھیں خدا کے ہم پایہ مانتے ہیں۔

دوسری آیت کا بیان ہے کہ جنّ وانس کے شیطان آپس میں شیطانی اشارہ بازیاں کرتے ہیں اور ان کا یہ دشمنی کا برتاؤ ہر نبی کے ساتھ رہا ہے۔ یہ آیت پہلی آیت کی نسبت مفصّل ہے۔

تیسری آیت اور زیادہ وضاحت کر رہی ہے کہ (۱) جِنّ اور انس ایک ہی جماعت (معشر) کے مختلف صفات والے لوگ ہیں ــــ (۲) ان کا حشر بھی اکٹھا ہو رہا ہے ــــ (۳) وہ ایک دوسرے کے دوست (اولیاء) بھی ہیں ــــ (۴) آپس میں ایک دوسرے سے (استمتاع[1]) بھی حاصل کرتے ہیں ــــ (۵) سزا بھی ایک ہی قسم کی (النار) بھگت رہے ہیں۔ چوتھی آیت نے ایک اور مشترک بات پر روشنی ڈالی ہے، یعنی یہ دو قسم کے لوگ ایک ہی قسم کی تعلیم یا رسالت کے مخاطب رہے ہیں ــــ قرآن سے ظاہر ہے کہ کبھی کوئی غیر بشر رسول نہیں آیا ــــ لوگ انھیں کہتے تھے، "ان انتم الا بشر مثلنا" تم ہماری طرح بشر ہی تو ہو، وہ جواب میں کہتے

---

[1] فائدہ اٹھانا۔

تھے: "ان نحن بشر مثلکم" (ابراہیم ۱۱) واقعی ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ دوسری جگہ اور زیادہ تاکید و وضاحت سے فرمایا:

مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ (یوسف - ۱۰۹)	ہم تجھ سے پہلے (اے محمدؐ) بستیوں کے رہنے والوں میں سے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتے رہے ہیں۔

یعنی آں حضرت صلعم سے پہلے جتنے رسول آئے، سب بشر تھے، آپ بھی بشر ہی تھے اور بشروں میں بھی صرف مرد ہی رسول ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی عورت رسول نہیں ہوئی۔

پھر آخری رسالت جو جامع، کامل، محفوظ اور خاتم ہے۔ الناس یا بشروں ہی کو بار بار خطاب کر رہی ہے:

وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ (مدثر - ۳۱) یہ (قرآن) صرف بشر کے لیے نصیحت ہے۔

اور بشر پانی کی پیدائش ہے:

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔ (فرقان - ۵۴) پانی سے بشر کو پیدا کیا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (اعراف - ۱۵۸)	اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام بر ہوں۔
تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ (حج - ۷۸)	مسلمانو! تم تمام انسانوں پر دین کے شاہد ہو۔ (یعنی انسانوں میں دین کی تبلیغ کرو)

اَلْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ (بقرہ - ۱۸۵) قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى اور تورات و انجیل کو پہلے نازل کیا۔ ہدایت

لِلنَّاسِ۔ (آلِ عمران۔ ۹۶) واسطے انسانوں کے۔

عرب کہتے ہیں: رَاَیتُ نَاسًا مِنَ الجِنّ۔ میں نے قوم جن میں سے کچھ آدمی دیکھے۔ ناس مٹی کی پیدائش ہیں:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ (حج۔ ۵)	اے لوگو! اگر تمھیں دوبارہ جی اٹھنے میں شک ہے تو (سوچو) ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اور بھی بہت سی آیات ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں رسولوں اور الٰہی دعوت کے مخاطب صرف انسان ہی ہیں —— دوسری طرف جن ان کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کا اقرار کر رہے ہیں (اس کا ثبوت اپنے موقع پر آرہا ہے)

بعض لوگ فرشتوں کو بطور رسول دیکھنے کا مطالبہ کرتے تھے، ان کو جواب دیا:

لَوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل ۹۵)	اگر فرشتے زمین پر اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے۔

نہ صرف غیر نوع کا بلکہ غیر زبان والا رسول بھی نہیں آسکتا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ (ابراہیم۔ ۴)	ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا، جو اپنی قوم کو غیر بولی میں دعوت دیتا ہو۔

آگے چلنے سے پہلے، اس سلسلے میں ایک جامع آیت اور سامنے رکھ لیجیے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝	اے اولادِ آدم! اگر تمھارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیتیں سنائیں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اور سدھر جائے گا تو ان پر نہ کوئی

(اعراف۔۳۵) | خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی اولادِ آدم میں سے رسول آئیں گے اور اولادِ آدم ہی کو خدائی آیات سنائیں گے۔ اگر جِنّ اولادِ آدم میں داخل نہیں تو ان کا آیات کے سُننے اور سُنانے سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ

۱۔کسی نوعِ خلقت میں دوسری نوع کا رسول نہیں آسکتا۔

۲۔ رسالت کے مخاطِب اور مخاطَب ہمیشہ انسان ہی رہے ہیں، کسی دوسری مخلوق میں کبھی کوئی رسول نہیں آیا۔

۳۔ احکامِ شرائع کے مکلف صرف انسان ہیں۔

سورہ اعراف میں جِنّ اس کے بعد ہمیں سورۂ اعراف میں جِنّ کا ذکر ملتا ہے۔ پہلے چار مرتبہ بنی آدم کو خطاب فرمایا ہے:

۱۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے لباس اُتارا ہے الخ

۲۔ اے بنی آدم شیطان کے فتنے میں مبتلا نہ ہونا الخ

۳۔ اے بنی آدم ہر مسجد کے پاس آراستہ ہو کر جاؤ الخ

۴۔ اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں الخ

اس کے بعد انہی بنی آدم میں سے کفار و مشرکین کی موت اور پھر عذاب کا سماں باندھا ہے:

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ (اعراف۔۳۹) | اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جِنّ و انس کی ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، آگ میں داخل ہو جاؤ

آگے چل کر جھٹلانے والی قوموں کا ذکر ہے: سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا: جس قوم نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اس کی مثال بُری ہے ـــ قوم کے معنی ہیں انسانی جماعت:

والقوم جماعة الرجال فی الاصل دون النساء ولذالک قال لا یسخر قوم من قوم ولا نساء من نساء (راغب)

در اصل قوم مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں عورتوں کے بغیر، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کوئی قوم دوسری قوم کی ہنسی نہ اڑائے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کی۔

شاعر کہتا ہے:

"اقوم آل حصن ام نساء؟"

کیا آل حصن، قوم (مرد) ہیں یا عورتیں؟

قرآن میں اس سے مرد و عورت دونوں بھی مراد لیے گئے ہیں۔ بہر حال غیر انسان پر "قوم" کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اب سنیے، اس کے ساتھ ہی مکذب قوموں کا انجام اور صفات بیان فرمائی ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ

(اعراف - ۱۷۹)

اور ہم نے بہت سے جن و انس کو جہنم کے لیے بنایا ہے، ان کے پاس دل تو ہیں، لیکن وہ ان سے سوچنے کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں بھی ہیں، جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان بھی ہیں، جن سے وہ نہیں سنتے، وہ چوپایوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ گوشت پوست کے بنے ہوئے، سوچنے کے قابل دل، آنکھیں، اور کان کس کے ہوتے ہیں۔ کیا انسان کے سوا کسی اور کو بھی یہ شرف

ملا ہے؟ ـــــ پھر اس رکوع کا آغاز بھی "بنی آدم" ہی کے خطاب سے ہوتا ہے:

اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (اعراف۔ ۱۷۲)	جب اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انھوں نے کہا، ہاں!

کیا یہ "الست" اور "بلیٰ" کا وعدہ بنی آدم کے سوا کسی اور مخلوق سے بھی ہوا ہے؟

سورۂ ہود میں جن اس سورہ میں جن سے متعلق فرمایا:

تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ہود۔ ۱۱۹)	تیرے رب کی بات پوری ہوئی کہ "میں جہنم کو جنوں اور (عام) انسانوں سب سے بھر دوں گا۔

اس سے اوپر کی آیت میں صرف انسانوں کا ذکر ہے:

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود۔ ۱۱۸)	اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتے۔ وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے، مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اور اس غرض سے انھیں پیدا کیا ہے۔

یہی "النّاس" آیت ۱۱۹ میں "الجنّۃ والنّاس" میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ یہ عام کا عطف خاص پر ہے، جیسے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ (بقرہ۔ ۲۸۵)	اپنے رب کی وحی پر رسول ایمان لایا اور مومن (بھی ایمان لائے)

ظاہر ہے کہ رسولؐ مومنوں کی صف سے باہر نہیں، جیسا کہ "اٰمن الرّسول" سے قطعی طور پر ثابت ہے ـــــ اوپر کی تشریحات سامنے رکھیں تو بداعمالی کے باعث دوزخ میں جانے والے جن یقیناً انسان کی ایک قسم ہے۔

سورہ حجر میں جنّ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ (حجر - ۲،۷)

ہم نے انسان کو بجنے والی مٹی سے جو بدبو دار کیچڑ سے بنتی ہے، پیدا کیا اور جنّوں کو ہم نے لو کی آگ سے پہلے ہی پیدا کیا۔

"جانّ" کا لفظ قرآن مجید میں چھ جگہ آیا ہے۔ دو جگہ جناب کلیمؑ کے متحرک عصا کو "جانّ" سے تشبیہ دی گئی ہے، وہاں اس کے معنی سانپ کی ایک قسم ہے۔ باقی چار جگہ "جانّ" جنّ کے مفہوم میں استعمال ہُوا ہے۔ اہلِ لغت نے اس کے متعدد معنی کیے ہیں: جنوں کا باپ۔ جیسے آدمؑ انسانوں کا باپ جنوںؑ کی ایک نوع۔ شیطان۔ جنّ کے معنی میں یہ اسم جمع ہے (لسان العرب) قرآن میں واحد کے لیے آیا ہے (سورہ الرحمٰن)

"من قبل" اور "نار السموم" سے بعض بزرگ اس طرف گئے ہیں کہ جدید تحقیق کی رو سے زمین کی موجودہ سطح آگ سے پک کر تیار ہوئی ہے۔ اس کی ابتدائی حالت سراسر آگ تھی اور انسانوں کی آبادی بننے کے قابل نہ تھی۔ اس وقت کوئی ناری مخلوق اس پر آباد تھی، جو جنّ کہلاتے تھے اور بعض دوسرے اصحاب انسان ہی کا پُرجوش حصہ مراد لیتے ہیں، جس میں اس کے آغاز ہی سے ناریت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے ــــ ان کا استدلال یہ ہے کہ انسان کی پیدائش بار بار مٹی سے کہی گئی ہے، حالاں کہ اس میں دوسرے عناصر بھی موجود ہیں، اسی طرح یہاں "نار" کے ذکر سے دوسرے عناصر کی نفی نہیں ہوسکتی ــــ ہر زندہ شے کے متعلق فرمایا:

جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ (انبیاء - ۳۰) ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

اس آیت کی رُو سے اور مشاہدے کی شہادت سے ماننا پڑتا ہے کہ مٹی کا پُتلا انسان پانی سے پیدا ہُوا ہے ، اسی طرح اگر جِنّ بھی کوئی زندہ عنصری ہستی ہے، تو وہ پانی کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اب "من قبل" کو ایک نظر دیکھ لیں اِس کے ایک معنی ہیں :۔ "انسانی پیدائش سے پہلے" (من قبل الانسان) لیکن قرآن میں صراحتہً یہ لفظ کہیں نہیں آئے ، اس لیے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جِنّ کی قسم کے آدمیوں میں ابتدا ہی سے حرارت و غضب کی زیادتی ہوتی ہے اور یہ اختلاف طبائع فطری اسباب کے تحت واقع ہوتا ہے ، اس لیے اللہ تعالیٰ اِسے اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ کیا آپ چھوٹے بچوں میں، جن پر ابھی کوئی خارجی، اکتسابی رنگ نہیں چڑھا ہوتا۔ اختلافِ میلان اور تفاوتِ مزاج و طبیعت نہیں دیکھتے ؟ اس طریق سے سوچنے پر آیت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں ناری حصہ زیادہ ہوتا ہے وہ "جانّ" کہلاتے ہیں۔ یہ جانّ بعد میں نہیں بنتے، بلکہ انسان کے پیدا کرنے میں پہلے ہی سے خلق کیے گئے ہیں :

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (حجر ۲۷)	اور جِنّوں کو ہم نے لو کی آگ (حرارت) سے (نوعِ انسانی میں شامل کر کے) پہلے ہی سے پیدا کیا ہے۔[۱]

یہ دونوں قسمیں (انسان اور جانّ) جو اپنی کمزوری اور جوش کا اظہار کرتی ہیں، بشر میں داخل ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے :

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا ○	جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ

---

[۱] "من قبل" کے اس طور پر مستعمل ہونے کی مثال قرآن میں موجود ہے۔ حرمنا علیہ المراضع من قبل (قصص ۱۲) ہم نے پہلے ہی سے اس (موسیٰؑ) پر اناؤں کا دُودھ روک دیا تھا۔

(حجر - ۲۸) | میں ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں

اس کی مزید تشریح "سورہ الرحمٰن" کے عنوان میں ملے گی، جہاں یہ لفظ "جانّ" تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں جنّ

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (بنی اسرائیل - ۸۹)

کہہ! اگر تمام انس و جنّ جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں اور ہم نے یقیناً اس قرآن میں انسانوں کے لیے ہر مثال بیان کر دی ہے، لیکن اکثر آدمی بے قدری کرنے سے نہیں ٹلے۔

اس آیت میں انس کے ساتھ جنوں کی فصاحت و بلاغت اور قوتِ تصنیف کو چیلنج کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں جماعتوں کے اجتماع اور ایک دوسرے کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ پھر قرآن کے ہر بیان (مثل) کو صرف انسانوں کے لیے خاص کر دیا ہے۔ آخر میں اس کی بے قدری کرنے والے بھی صرف انسان ہی بتائے ہیں۔ کیا نظر نہ آنے والے ہوائی یا آتشی جنّ انسانوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کے مقابلے کا مشورہ کر سکتے ہیں؟ ——— انھیں مددگاروں کو سورۂ بقرہ میں شہید کہا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (بقرہ - ۲۳)

اگر تمھیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا، تو اس کی مانند ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بلالو۔

لغت میں "جن الناس" کا معنی ہے، لوگوں میں بڑا آدمی، یعنی بے شک تمھارے بڑے بڑے آدمی اکٹھے ہو جائیں، پھر بھی قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔

سورۂ کہف میں جن

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (کہف ۔ ۵۰)	اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کر دیا، سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا، سو وہ اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔

اس آیت میں جن یقیناً غیر انسانی ہستی ہے، کیوں کہ انسان کو سجدۂ انسان کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اوپر لغوی تشریح میں ہم سمجھ چکے ہیں کہ شیطان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ انسانی اور ابلیسی، اسی طرح جن بھی دو معنوں میں آیا ہے، انسانی جن اور ابلیسی جن ــــــ انسانی جن بحکم قرآن انسانوں کے معاشر ہیں، رفیق ہیں، ان کا ایک دوسرے کو مسجود بنانا یقیناً شرک ہے اور ابلیسی جن نظر نہ آنے والی ہستیاں ہیں:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ (اعراف ۲۷)	شیطان اور اس کی جماعت تمھیں دیکھتی ہے ایسی طرح پر کہ تم انھیں نہیں دیکھتے۔

اس جگہ بعض محققین کہتے ہیں کہ جسمانی امراض کے جراثیم کی طرح اخلاقی وروحانی امراض کے بھی جراثیم ہوتے ہیں، جو متعدی اثر رکھتے ہیں ؎

"صحبت طالح ترا طالح کند"

دینی اصطلاح میں ان جراثیم کو شیاطین یا ابلیسی جن کہا جاتا ہے۔ پھر جو انسان ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان پر بھی ان الفاظ کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً

اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَکُمْ لا (بقرہ - ۱۴)	جب منافق لوگ اپنے شیطانوں سے الگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

یہاں شیطان کے معنی شریر انسان کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں، ایسے ہی سیاق و سباق کا لحاظ کرتے ہوئے جن کے مناسب معنی کرنے پڑیں گے۔

سورۂ نمل میں جن

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَہُمْ یُوْزَعُوْنَ ○ (نمل - ۱۷)	سلیمان کے لیے جن، انس اور طیر کے لشکر اکٹھے کیے گئے، سو وہ حسب ضرورت روکے جاتے تھے۔

یہ جن غیر اسرائیلی پہاڑی قوموں سے تھے جو حضرت سلیمانؑ کے ماتحت عمارتی کے کام انجام دیتے تھے۔ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ (سبا۱۳) وہ جن سلیمانؑ کی مرضی کے مطابق مسجدیں، مجسمے وغیرہ تیار کرتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ تختِ بلقیس اپنے پاس منگوانے کے لیے اہلِ دربار سے گفتگو کر رہے ہیں:

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ وَاِنِّیْ عَلَیْہِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ○ (نمل - ۳۹)	قوم جن میں سے ایک زبردست نے کہا، میں وہ (تخت) تیرے پاس لے آؤں گا، اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور میں اس کام کی قوت رکھنے والا امانت دار ہوں۔

عفریت کے معنی ہیں سخت اور خبیث۔ جس طرح شیطان کا لفظ انسان پر بولا جاتا ہے، اسی طرح عفریت بھی بولا جاتا ہے۔ (راغب)، عفریت ایسے مرد کو کہتے ہیں جو خباثت اور سختی سے کسی معاملہ میں گھس کر اسے کمال تک پہنچا دے (لسان العرب)۔ عفریت، جن، انس اور شیطان سب پر بولا جاتا ہے، بہت

اونچے درجے کا رئیس۔ (سجستانی) آیت میں وہ خود اپنے لیے قوت و امانت کی صفات استعمال کر رہا ہے۔ اور امانت کا تعلق زمین و آسمان میں انسان کے سوا کسی ہستی سے نہیں۔ پڑھیے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (احزاب ۔ ۷۲)	ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی تو انھوں نے اس کی برداشت سے انکار کر دیا اور انسان نے اُسے اٹھا لیا۔

سورۂ سجدہ میں جن

لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ (سجدہ ۔ ۱۳)	اگر ہم (اللہ تو) چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے لیکن میری (خدا کی) طرف سے بات سچی ہوئی کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دوں گا۔

سورۂ ہود میں یہ مضمون بیان ہو چکا ہے۔ آیت کے ابتدائی الفاظ (کل نفس هداها) یہاں الگ ہو گئے ہیں، جو اس پر اور زیادہ دلالت کر رہے ہیں کہ جن انسانی جماعت کا نام ہے۔ ایسی ہدایت جو جبری طور پر نہیں منوائی گئی اور جس کے خلاف چلنے سے دوزخ کی سزا ملتی ہے۔ انسان سے خاص ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

سورۂ سبا میں جن

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ..... فَلَمَّا	اور جنوں میں سے کچھ وہ تھے جو اس (سلیمانؑ) کے سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرتا، ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھاتے ..... جب ہم

قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سبا - ۱۴)	نے اس (سلیمانؑ) پر موت کا حکم صادر کیا تو انھیں اس کی موت کا پتا زمین کے ایک کیڑے نے دیا جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ سو جب وہ گر گیا۔ جنوں کو معلوم ہوگیا کہ اگر وہ غیب داں ہوتے، تو رسوا کُن عذاب میں نہ پھنسے رہتے۔

یہ جنّ غیر اسرائیلی سرکش اقوام کے لوگ تھے، جو کمزوروں کو اپنے دباؤ میں رکھتے اور اپنی غیب دانی کے دعاوی سے اپنی بزرگی منواتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو ان پر مسلط کر دیا، پھر بھی یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تھے۔ جیساکہ "من یزغ عن امرنا" سے ظاہر ہے۔ پھر ان کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

دوسری جگہ ان کو شیاطین کہا گیا ہے:

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝ (انبیاء - ۸۲)	اور کئی سرکش سلیمانؑ کے لیے غوطہ زنی وغیرہ کام کیا کرتے تھے اور ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال نہ ہوتی، تو ایسے سرکشوں پر قابو پانا سخت دشوار تھا، جو محکوم ہو چکنے کے بعد بھی اس قابل تھے کہ زنجیروں میں جکڑ کر رکھے جائیں:

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ (ص - ۳۸)	اور سرکش لوگ، ہر معمار اور غوطہ زن اور دوسرے لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔

آیت سبا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بغاوت کے اندیشے سے سلیمان کی موت بھی ان سے پوشیدہ رکھی گئی۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق ان کی لاش کو ممی سے بھر کر ایک عصا کے سہارے کھڑا کر دیا گیا کہ دُور سے گزرتے ہوئے جن اُن کو زندہ سمجھیں۔ آخر جب ان کے جانشین نے سلطنت کا نظم ونسق مستحکم کر لیا، تو دیمک نے ان کے عصا کو کمزور کر کے گرا دیا جس سے اُن کی لاش بھی گر پڑی، راز کھُل گیا، ساتھ ہی جنوں، شیطانوں اور کاہنوں کی غیب دانی کا پردہ بھی فاش ہوگیا ـــــ اس بیان سے معلوم ہُوا کہ

۱۔ جن سلیمان کے سامنے مختلف قسم کے کام کرتے تھے۔

۲۔ کج روی کرتے تو سخت سزا پاتے تھے۔

۳۔ انھیں غیب کا کچھ علم نہیں تھا۔

۴۔ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا۔

۵۔ انھیں محکومی، کارکردگی اور سخت سزاؤں کا رُسوا کن عذاب جھیلنا پڑتا تھا۔

میرے نزدیک ایسے لوگوں کو انسانیت سے خارج کرنا، اپنی انسانیت کو جواب دینے کے مترادف ہے۔

قیامت میں فرشتوں سے سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ مشرک لوگ تمھارے عابد تھے۔ وہ جواب دیتے ہیں:

سُبحٰنَکَ اَنتَ وَلِیُّنَا مِن دُونِہِم بَل کَانُوا یَعبُدُونَ الجِنَّ اَکثَرُھُم	(اے اللہ) آپ کی ذات پاک ہے، ان کے سوا آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، بلکہ یہ لوگ جنوں کے عابد

بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ (سبا۔۴۱) | تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان لانے والے تھے۔

یہ جن، جو معبود بنتے ہیں، وہی کاہن، رمّال، مکّار، سجادہ نشین، مُلّا، پیر وغیرہ لوگ ہیں، جو مرادیں برلانے کے دعوی کرتے ہیں، غیب دانی کی ڈینگیں مارتے ہیں، مستجاب الدعوات کہلاتے ہیں، دین وعدل سے سرکشی کرتے ہیں ــــ آج بھی کوئی سلیمانؑ ہو، تو ان سب کو خانقاہوں، حجروں، مندروں اور تیرتھوں سے نکال کر محنت ومشقت کے لیے مجبور کرے اور خلق خدا کو اُن کی دُور رس حرکات سے نجات دلائے۔ موجودہ حکومتوں کو کیا پڑی ہے کہ اپنی شیطنت کے ان ہتھیاروں کو جناتی گوشوں سے نکال کر انسانی دنیا میں آنے کی تکلیف دے۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں جنّ | خدا کے دشمنوں کے حشر وعذاب کا ذکر ہے۔ ان کے کان، آنکھیں اور جلدیں ان کے خلاف شہادت دے رہی ہیں۔ اس وقت صبر کریں یا معافی مانگیں۔ کچھ بھی انھیں مفید نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی رغبت وشوق کے مطابق دنیا میں ان کو وسائل دیئے تھے:

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝ (حٰمٓ سجدہ۔۲۵)	اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر دیے، سو انھوں نے انھیں ان کے آگے اور ان کے پیچھے کے اعمال وآثار کو اچھا کر دکھایا اور ان پر (خدا تعالیٰ کی) بات صادق آئی۔ داخل کیے گئے، پہلی قوموں میں جن وانس سے، تحقیق وہ نقصان اٹھانے والے ہوئے۔

دنیا میں متموّل بدکاروں کو اکثر ایسے حاشیہ نشین مل جاتے ہیں جو اُن کو جزا (ما بین ایدیھم) سے بے فکر کر دیتے ہیں اور ان کی دنیا میں کی ہوئی بدکاریوں

(مَاخلفهم) کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ آخرت میں جنّوں (کاہنوں، پیروں)، اور انس (یعنی مریدوں، مقلدوں) کی جماعتوں میں شریکِ عذاب ہو جاتے ہیں۔

مٹی کا بنا ہُوا انسان، مٹی کی بنی ہوئی دنیا (عالمِ ارضی) میں اس طرح رہتا ہے کہ یہاں سے نکلنے کو ہرگز اس کا جی نہیں چاہتا (لو یعمر الف سنة) خواہ ہزار سال تک زندہ رہے۔ آگ کے بنے ہوئے جن آگ کی دنیا میں سکونت کو عذاب کیوں سمجھیں گے؟ کیا ہمارے "جن پرست" دوست اس پر کچھ غور کریں گے؟

اس سے اگلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ○ (حٰم سجدہ ۲۹)	(مبتلائے عذاب) کافر کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ جن (کاہن و پیر) اور انس (ان کو اڑانے والے مرید) دکھا، جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا[۱]، تاکہ ہم انھیں پاؤں کے نیچے کچل ڈالیں[۲] اور وہ (دنیا میں بلند اور اونچے بننے والے) گرے ہوئے بن جائیں۔

یہ میل جول، ربط و تعلق صاف کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی نظر نہ آنے والی غیر انسانی مخلوق نہیں، بلکہ جانے پہچانے ہوئے لوگ ہیں، ان کی استعدادیں، ضروریات، حالات، اعمال، اور جزا بالکل انسان جیسی ہی ہیں۔

سورۂ احقاف میں جن | حٰمٓ سجدہ کی آیت ۲۵ اور احقاف کی آیت ۱۸

---

[۱] گمراہ کرنے کا بڑا ذریعہ زبان و قلم ہیں، کیا آج تک کسی کو کسی ہوائی یا ناری جن کی تقریر و تحریر سننے دیکھنے میں آئی؟ [۲] کیا ہوا یا آگ کو پاؤں کے نیچے کچلا جا سکتا ہے؟

"حق علیھم" سے "خاسرین" تک بالکل ایک ہی ہیں۔ اس لیے اس کی تکرار کی ضرورت نہیں —— البتہ آخری رکوع میں جن کا ذکر مزید توجہ چاہتا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (احقاف - ۳۱)

اور جب ہم جنوں کا ایک گروہ تیری طرف لائے کہ وہ قرآن سنیں، جب وہ اس (قرآن) کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے "چپ رہو" سو جب تمام ہو چکا، اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر پہنچے، انھوں نے کہا "اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد اتری ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہے اور حق اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتی ہے، اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، وہ تمھارے قصور تمھیں معاف کرے اور تمھیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔

اوپر "نفرًا من الجن" وارد ہوا ہے، "نفر" کے معنی باتفاق علماء لغت "عدۃ الرجال" "گروہ مردم از سہ تا دہ" یعنی چند مرد، تین سے دس تک ہیں۔ لفظ "قوم" کی طرح یہ لفظ بھی انسانوں بالخصوص مردوں سے مختص ہے۔ آگے "الی قومھم" اور "یاقومنا" کہہ کر ان کی انسانیت کو اور واضح فرما دیا، ان کا قرآن سُننا، اس کو توراتؑ[1] اور صحفِ انبیاء کے مطابق پانا، حق اور طریقِ مستقیم کو پہچاننا۔ ایمان، مغفرت، گناہ، عذاب وغیرہ حقایق کی تبلیغ کرنا، گزشتہ تصریحات کے مطابق ان کے

---

[1] آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ تورات انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ منہ

انسان ہونے کی قطعی شہادتیں ہیں۔

سورۂ ذاریات میں جن | وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (ذاریات-۵۶) | میں (خدا) نے جن و انس دونوں کو صرف (ایک مقصد) عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اب عبادت کی ساری آیتیں دیکھ جائیے، آپ کہیں بھی کسی غیر انسان کو عبادت کا مکلف نہیں پائیں گے۔ قرآن پاک کا سب سے پہلا خطبہ یہ ہے:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (بقرہ-۲۱) | اے انسانو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے، پیدا کیا تاکہ تم صاحب تقویٰ بن جاؤ۔

اس مقصد کے اثبات کے لیے اتنے کثیر دلائل قرآن میں موجود ہیں کہ ان سب کو یہاں لانے کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔

سورۂ الرحمٰن میں جن | سورہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (الرحمٰن۔ ۱تا۴) | رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا۔ انسان کو بیان (قوت تشریح و تفصیل) سکھایا

تعلیم قرآن اور تعلیم بیان کے درمیان تخلیق انسان کا ذکر ہے۔ صرف انسان ہی ایسی ہستی ہے جو فطری طور پر دینِ قرآن سے مناسبت رکھتی ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (روم-۳۰) | اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر انسانوں کو پیدا فرمایا، الٰہی پیدائش (کے قانون) میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہ قائم رہنے والا دین ہے۔

خلق کے کئی مراحل (نطفہ سے بلوغ تک) طے کرنے کے بعد انسان میں یہ فطری

ودلیعت آشکار ہوکر قوتِ بیان بن جاتی ہے ۔ "بیان" سے بھی صرف انسان ہی کو سرفراز فرمایا گیا ہے ۔

اس کے بعد انسان کو فطرت کے ترازو کے تول جیسے نظام کی طرف متوجہ کرکے ہر معاملے میں عدل کا حکم دیا ہے ۔ آگے چل کر اسی انسان کو دو حصوں میں تقسیم کرکے مخاطب کیا ہے ۔ ایک جابر و سرکش (جن) دوسرے کم زور و مغلوب (انس) ہر نبی کے سامنے ایسے لوگ آتے رہے ہیں ، جن کو دوسرے لفظوں میں الذین استکبروا (اہل تکبّر) اور الذین استضعفوا (ضعیف کیے گئے) کہا گیا ہے ۔

—— زمین کے مصرف ، پھلوں ، اناجوں اور پھولوں کے ذکر کے بعد پہلی مرتبہ فرمایا ہے :

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن ۱۳) | اے ہر دو فریقو ! تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے

صرف اسی فقرے سے جو ۳۱ مرتبہ بتکرار وارد ہوا ہے ، ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ مبارکہ الرّحمٰن کی بیان کردہ تمام نعمتیں[۱] جن و انس دونوں کے لیے مشترک ہیں ، حالاں کہ دوسرے بہت سے مقامات پر ان چیزوں کو صرف انسانوں سے مختص کیا ہے ، مثلاً فرمایا ، سورج ، چاند ، کشتیاں ، سمندر ، دن رات ، بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ، سب ہی کچھ اے انسانو ، تمھارے لیے پیدا کیا گیا ہے[۲] —— اب یہ غیر نوع اور غیر جنس کے جن بیچ میں کہاں سے گھس

---

[۱] مشرق و مغرب ، التقاء بحرین ، برزخ بحرین ، موتی ، مونگا ، کشتیاں —— پھر آخرت کے باغ ، حوریں چشمے ، پھل ، فرش ، لباس ، تکیے وغیرہ سب ہی نعمتیں جن و انس کے لیے ہیں ۔ کیا ہمارے خیالی جن کو کشتی کی ضرورت ہوسکتی ہے ؟ اُسے تو ایک چھلانگ میں سمندر پار کر لینا چاہیے ۔ [۲] حوالے کے لیے دیکھو ، نحل ۔۱۴ ، حج ۔۶۶ ، جاثیہ ۔۱۴ و ۱۵ ، رعد ۔۴ ، ۱۷ ، ابراہیم ۔ ۳۴ و ۳۵ وغیرہ ۔

آئے؟ — دوسری بات یہ بھی اتنی ہی تاکید و تکرار سے ثابت ہوئی کہ دونوں جماعتوں کو الٰہی نعمتوں کی ناقدردانی یا شکرگزاری کا یکساں اختیار دیا گیا ہے اب یہ وہی "انسان" نہیں تو اور کون ہیں، جس کا ذکر سرنامہ سورت میں کیا گیا ہے — اب اس پہلی "فَبِاَیِّ" کے بالکل ساتھ ہی پھر انسان کا ظہور ہوتا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۱۴) انسان کو ٹھیکری کی مانند بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

یہ انسان کی عام حالت و صلیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد ایک خصوصیت آتی ہے:

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۱۵) اور جِنّوں کو آگ کی مل جانے والی لُو سے پیدا کیا۔

"مَارِج" کے معنی ہیں ملا جلا، مختلط۔ یہ آتشیں جوش انسانی مٹی میں مل کر اِنس کو جن بنا دیتا ہے۔ اس انس و جن اور خاک و آتش کی کش مکش سے انسانوں میں ثبات قدم اور ضبط و صبر جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں جو انسانی ترقی کا موجب بنتی ہیں، اس لیے نتیجے کے لحاظ سے یہ بھی نعمت ہے، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

اور آگے چلیے — ارشاد ہوتا ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝ (۳۱)	اے دو بھاری[1] جماعتو! اب ہم تمہارے لیے فارغ ہوتے ہیں (یعنی دنیوی نعمتوں سے گذر کر صرف تمہاری جزا و سزا کا ذکر کرتے ہیں، تمہارے فائدے کے لیے یہ بھی نعمت ہے)

---

[1] بعض مفسروں کی تحقیق یہ ہے کہ جن و انس کو "ثقلان" اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ زمین پر "ثقل" یعنی بوجھ کی طرح ہیں، یعنی جن بھی انس کے برابر پُشتِ زمین کا بوجھ ہیں۔ کیا ہوا کے جھونکے اور آگ کے شعلے کو انسان کی طرح "ثقل" یا بوجھ کہا جا سکتا ہے؟ منہ

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (۳۲) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ (۳۳)

اے جن وانس کی (آپس میں میل جول رکھنے والی) جماعت! اگر تم زمین اور آسمانوں کے کناروں سے (ان کے اندر) گھس سکتے ہو تو گھس جاؤ۔ تم نہیں گھس سکتے، مگر دلیل کے ساتھ (یہ محکم انتظام بھی نعمت ہے)۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (۳۴) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ (۳۵)

اگر بالفرض گھس بھی جاؤ، تو تم کو (آسمان میں) آگ کے شعلے (اور زمین کے اندر) پگھلے ہوئے تانبے یا دھوئیں سے سابقہ پڑے گا، پھر تم اس کو (اپنے سے) دور نہ کرسکو گے (اگر تم علمی نظر رکھتے ہو تو یہ بھی نعمت ہے)۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (۳۶) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ۝ (۳۷)

پھر جب آسمان پھٹ جاتا ہے، تو وہ تیل کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (۳۸) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ (۳۹)

اس دن کسی انس اور جن کو اس کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں ہوتا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (۴۰) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ۝ (۴۱)

(سوال کے بغیر ہی) مجرم اپنے نشانوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ پھر ماتھوں اور قدموں سے (مشکیں باندھ کر) پکڑے جاتے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (۴۲) | پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۴۳) | یہ جہنم ہے مجرم جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔

آیئے اِن آیات میں تلاش کریں کہ جن وانس میں مغائرت پائی جاتی ہے یا مجانست۔

۱۔ دونوں کو ایک معشر (متحد المعاشرت) فرمایا۔

۲۔ دونوں میں قوتِ استدلال (سلطان) رکھی، یعنی جسم سے رسائی نہیں ہو سکتی علم و دلائل سے آسمان و زمین کے احوال دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

۳۔ آسمان میں شہابِ ثاقب کے شعلے اور زمین میں پگھلا ہوا تانبا یا دھواں دونوں پر یکساں اثر کرے گا۔

۴۔ آسمان کا پھٹنا یعنی سماوی تناسب میں تغیر، پھر اس کے سبب سے زمین میں اضطراب، زلزلے، آتشیں پہاڑوں کا پھٹ پڑنا، پھر اس آگ اور دھوئیں کے سبب فضائے سماوی کا تیل کی طرح سُرخ ہو جانا، دونوں کے لیے ایک ہی قسم کا ہولناک عذاب ہے۔

۵۔ سوال و جواب کا وقت گذر چکا ہے۔ جرم کی علامتیں خود ہی آشکار ہو رہی ہیں جن وانس دونوں کے ماتھے بھی ہیں اور پاؤں بھی۔ دونوں کی مشکیں کسی جا رہی ہیں۔

۶۔ دونوں ہی جہنم کے منکر تھے، دونوں ہی مجرم تھے، اب دونوں ہی اس میں دھکیلے جاتے ہیں ——— اور آگے چلیے

جنتی نعمتوں کی تفصیل کے دوران میں ارشاد ہے کہ وہاں خدا سے ڈرنے والوں کے لیے دو جنتیں ہیں جن میں شاخیں، چشمے، پھل، بچھونے، تکیے، مخمل وغیرہ کے ساتھ نیچی نگاہ والی عورتیں بھی ہیں:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۔ (۵۶)
ان بہشتیوں سے پہلے ان عورتوں سے کسی انس و جن نے ملاپ نہیں کیا ہوگا۔

یعنی جن انسی عورتوں سے اور انس اجنبی عورتوں سے نکاح کرتے رہے ہیں، لیکن یہ بہشتی عورتیں اس بہشتی حالت میں آنے کے وقت سے اب تک کسی جن و انس سے وابستہ نہیں ہوئیں ——— یہ فقرہ اس سورہ میں مکرر استعمال ہوا ہے۔

سورۂ جن میں جن

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا[۱] ۝ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (سورہ جن ۱ تا ۶)

کہہ، میری طرف وحی کیا گیا ہے کہ جنوں میں سے چند اشخاص نے سُنا اور کہا، ہم نے عجیب قرآن سُنا، جو اصلاح کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بنائیں گے ..... اور ہمارا خیال تھا کہ انس اور جن اللہ پر جھوٹ نہیں بولیں گے اور یہ کہ انس کے مرد جنوں کے مردوں کی پناہ میں آیا کرتے تھے سو انھوں نے ان کو سرکشی میں بڑھا دیا۔

یہ وہی جن معلوم ہوتے ہیں جن کا ذکر سورۂ احقاف میں آچکا ہے، سیاق آیات سے پتا چلتا ہے کہ یہ باہر سے آئے ہوئے کاہن تھے، جو مکے میں اپنے معتقدوں اور مریدوں کے ہاں نذر و نیاز لینے کی خاطر آیا کرتے تھے، یہ اہلِ مکہ سے چھپ کر اپنی کہانت اور مشیخت چھپا کر ایسے وقت آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب کہ آپؐ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے، یہ اس سے متاثر ہوئے اور اس کے مقاصد پر ایمان

---

[۱] صدق و کذب کا امکان بھی انسان کے سوا کسی جاندار میں نہیں۔ منہ

لائے :" احد ا" تک اُن کا قول ختم ہو جاتا ہے ۔ اگلی عبارت کا عطف "قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ" پر واقع ہُوا ہے ___ یعنی مجھ پر یہ یہ باتیں وحی ہوئی ہیں کہ ہم جن و انس عام طور پر خیال کرتے تھے کہ جن و انس خدا پر جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتے ، لیکن یہ خیال غلط نکلا :

"اے بسا ابلیس آدم روئے ہست"

کفر کے امام اپنے مریدوں کو اپنی ذات سے بڑی بڑی امید دلاتے ہیں ، دنیا و آخرت میں ان کے ملجا و ماویٰ بننے کا دعویٰ کرتے ہیں ، اس لیے بذریعہ وحی مجھے یہ علم پہنچا ہے کہ انس کے مرد ، جنّوں (کاہنوں) کے مردوں کی پناہ میں آتے رہتے ہیں ، اس طریقِ عمل سے انھوں نے ان (کاہنوں) کی سرکشی میں اور اضافہ کر دیا اور کھُلے بندوں جھوٹ کا دور دورہ ہونے لگا ___ ان آیتوں کی کلید لفظ "رجل" ہے جو جنّ و انس دونوں پر بولا گیا ہے ، یعنی جنّ اور انس دونوں میں "رجل" ہوتے ہیں ۔ علمائے لغت ، محاورہ عرب اور خود قرآن پاک کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ

الرجل مختص بالذکر من النّاس (رجل کا لفظ صرف انسانی نر کے لیے خاص ہے ۔

چنانچہ کفار کے اس مطالبے کے جواب میں کہ آں حضرتؐ پر فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا ، دو باتیں فرمائیں :

لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ٥ (انعام ۸)	اگر ہم فرشتہ اتار دیں تو معاملہ طے ہو جائے ، پھر ان لوگوں کو مُہلت نہیں دی جائے گی ۔

یعنی فرشتے شخص یا قوم کے خاتمے کے وقت اترا کرتے ہیں ، جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے ثابت ہے ___ دوسری بات یہ ہے کہ اگر خاتمے سے پہلے

زمانہ مہلت میں اُتار دیں، تو پھر کیا ہوگا:

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۔ (انعام-۹)	اگر ہم اس (رسول) کو فرشتہ بناتے تو اس کو ضرور انسانی مرد کی شکل میں بناتے اور ان لوگوں پر وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں اب مبتلا ہو رہے ہیں۔

اس آیت نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کہ "رجل" کوئی نظر نہ آنے والی ہستی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا اطلاق انسانی مرد کے سوا کسی اور پر ہوتا ہی نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (انبیا)	تیرے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے، سب مرد ہی تھے، ہم انہیں وحی کرتے تھے، سو تم اہل ذکر سے پوچھ لو۔ اگر تم نہیں جانتے — اور ہم نے ان (مرد رسولوں) کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ اور وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں تھے۔

یہی مفہوم دوسرے انداز میں:

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط (فرقان-۲)	تیرے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے وہ سب کے سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوگی کہ "رجل" انسانی مرد کو کہتے ہیں، (جو جسد والا (مجسم) ہو، کھاتا پیتا ہو، بازاروں میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہو، ایک محدود عمر رکھتا ہو — یہ ہے قرآن کا بیان کردہ جن۔

سورۃ الناس میں جن	قُلْ اَعُوْذُ	تو کہہ! میں آدمیوں کے رب، آدمیوں کے بادشاہ

بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

اور آدمیوں کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں چھپ جانے والے کے وسوسے کے شر سے، جو آدمیوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے وہ آدمی کون ہیں، جن اور عام انسان۔

یہاں وسوسے ڈالنے والا انسانی نگاہ سے پوشیدہ ہے اور وہ ہے "ابلیسی خناس" جو جن وانس سے الگ ہے۔ اس کا کام ہی یہ ہے کہ انسان کے اندر کوئی خطرناک تحریک جوش وغضب وغیرہ پیدا کر کے اُسے مبتلائے آفت کرے اور خود الگ ہو جائے۔ انسان کو سرابی امیدیں دلاکر غلط ارتکاب پر اُبھارے، پھر اُسے ڈانواں ڈول چھوڑ کر پرے ہٹ جائے۔ یہ خناس عام آدمیوں اور جنی قسم کے آدمیوں، دونوں پر وسوسے کی راہ سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی اس صفت کا بیان دوسری جگہ اس طرح مذکور ہے:

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ۝ (فرقان ۲۹) اور شیطان (آخر) انسان کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔

"الجنۃ والناس" میں جن، ناس ہی کا خاص حصہ ہے۔ ایسی مثالوں سے قرآن معمور ہے، مثلاً

أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا (یونس) آدمیوں کو ڈرا اور مومنوں کو خوش خبری دے۔

ظاہر ہے مومن آدمیوں سے باہر نہیں ہیں اور نہ خدا کے ڈر سے بے نیاز ہیں، اسی طرح جن آدمیوں سے باہر نہیں۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل غور ہے۔ قرآن حکیم اور عام علم و تجربہ کی رو سے وسوسے کا محل انسانی دماغ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، کسی غیر انسانی مخلوق کو معلوم ہی نہیں

کہ وسوسہ کس بلا کا نام ہے اور انسان کا سابقہ بھی وسوسے سے اس وقت پڑتا ہے جب وہ جماعتی طور پر وحشت و بدویت اور انفرادی حالت میں طفولیت کی سرحد سے آگے قدم رکھتا ہے، یعنی وسوسے کے لیے صرف انسانی پیکر ہی کافی نہیں، بلکہ اس کے فہم و فراست کا ایک خاص حد تک ترقی یافتہ ہونا بھی لازم ہے۔

پھر یہ دو راہوں سے اثر انداز ہوتا ہے، شیطانی اور نفسانی۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (اعراف ۲۰) | شیطان نے آدم و حوا کو وسوسے میں مبتلا کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ۔ (ق ۱۶) | ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ ڈالتا ہے۔

یعنی آدم یا انسان مبتلائے وسوسہ ہوتا ہے اور نفس یا شیطان مبتلائے وسوسہ کرتا ہے۔ اگر جن مبتلائے ولولہ ہو سکتا ہے تو وہ بھی انسان ہی ہوگا —— اس مقام پر ہمارے بزرگ مفسروں کو سخت مشکل پیش آتی ہے، وہ اپنے روایتی اعتقاد کی بناء پر جن کو انسان سے الگ سمجھے ہوئے ہیں اور یہ آیتیں اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ پھر وہ سخت تکلف پر مجبور ہو جاتے ہیں —— چنانچہ امام رازیؒ کا بیان پڑھیے:

"بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "الجنۃ والناس" دو قسمیں ہیں، جو صدر "الناس" میں داخل ہیں، یعنی جن و انس دونوں میں انسانیت پائی جاتی ہے پس لفظ "انسان" جنس اور نوع دونوں کے لیے مستعمل ہے[1]۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ "انسان" میں جن و انس دونوں داخل ہیں، جیسا کہ روایت کی گئی ہے ——

---

[1] جس طرح "حیوان" کا لفظ انسان اور غیر انسان جاندار دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، اُن کے خیال میں یہی حال لفظ انسان کا ہے، یہ لغت کی مٹی پلید کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ (منہ)

" جنوں میں سے چند شخص آئے، اُن سے پوچھا گیا، تم کون ہو؟ فقالوا اناس من الجن، انھوں نے کہا ہم قوم جن کے آدمی ہیں"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو "رجال" کہا، وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن. کئی انسی مرد، جنّی مردوں کی پناہ میں آتے تھے اور اس آیت (صدور الناس) میں بھی ان کو ناس کہا ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان خبیث کا وسوسہ انسان کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا، بلکہ اپنی جنس (جن) کو بھی گمراہ کر دیتا ہے، سو ضرور ہے کہ عاقل اس کے شر سے بچے"۔

زیرِ خط فقرہ مفسر کی مجبوری کا آئینہ دار ہے، یعنی حقیقتِ مفہوم کے دروازے کے آس پاس پھر رہا ہے، لیکن روایتی اثر کے غلبے کی وجہ سے اندر داخل نہیں ہونے پاتا —— اس کے بعد امام رازی اس پر اپنے رنگ میں تنقید کرتے ہیں:

"یہ قول ضعیف ہے، کیوں کہ "انسان" کو اسم جنس کہنا اور اس میں جن و انس دونوں کو داخل کرنا لغت کے خلاف ہے[1]، کیوں کہ جن کو اس کے اجتنان (روپوشیدگی) کی وجہ سے جن کہتے ہیں اور انسان کو اس کے ایناس (ظہور) کے سبب انسان کہتے ہیں"۔

امام صاحب بھی ایک دوسری راہ سے دروازے کے پاس پہنچے ہیں، لیکن اندر داخل نہیں ہو سکتے —— اب صاحبِ کشاف کی توجیہ دیکھیے۔ اُن کے خیال میں اس مشکل سے چھٹکارا پانے کی

---

[1] جیسا کہ میں نے صفحہ ۳۵ کے حاشیے میں اشارہ کیا ہے۔ (منہ)

فالاولی ان یقول المراد من قوله یوسوس فی صدور الناس اے فی صدور الناسی لقوله یوم ید ع الداع واذا کان المراد من الناس هو الناسی فحینئذ ممکن تقسیمه الی الجن والانس لانهما هما النوعان الموصوفان بنسیان حق تعالیٰ ؎

بہتر صورت یہ ہے کہ "یوسوس فی صدور الناس" میں صدور الناسی (بھولنے والے) مراد لیے جائیں، جیسے یوم ید ع الداع میں داعی (پکارنے والا) ہے، اور جب "ناس" کے معنی ناسی ہوگئے تو اب ناسی کو جن و انس دونوں میں تقسیم کردینا آسان ہوگیا، کیوں کہ یہی دونوں نوعیں اللہ تعالیٰ کو بھولنے والی ہیں۔

دیکھا آپ نے غیر حقیقی چیز کو حقیقی بنانے کی کوشش میں کتنی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے، پھر بھی وہ غیر حقیقی ہی رہتی ہے —— یہ لوگ بلاشبہ ہمارے بزرگ ہیں ان کی دینی خدمات قابلِ قدر ہیں، لیکن جب ان کی نگاہ سے اصلیت اوجھل ہو جاتی ہے تو عجیب عجیب موشگافیوں پر اُتر آتے ہیں، یہاں تک کہ اپنی رَو میں نادانستہ طور پر آیاتِ قرآن کو بازیچۂ اطفال بنانے سے نہیں چُوکتے —— یہ لوگ یقیناً اس سے بے خبر نہیں کہ اہلِ زبان جنّ، شیطان، عفریت وغیرہ کا استعمال انسان پر بھی کرتے ہیں، قرآنی قرائن بھی اسی طرف کھینچ رہے ہیں، لیکن تقلید و روایت کے تسلّط کا کیا علاج :

نا مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں؟
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

گزشتہ صفحات کا خلاصہ یہ ہے :

؎ اوپر کی ساری بحث مفاتیح الغیب رازی کے جزء ثامن کے آخر سے لی گئی ہے۔ (منہ)

۱۔ جنّ حقیقت لغت کی رُو سے ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جس کو انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یہ ملائکہ کی ضد ہیں۔ ملائکہ نیکی کے محرّکات ہیں اور جنّ کا کام انسانی قلوب میں وسوسہ اندازی اور اسے عصیان وطغیان کی طرف مائل کرنا ہے، انھیں اخلاقی امراض کے جراثیم سمجھیے، لیکن انھیں قطعًا اختیار نہیں دیا گیا، کہ جو نسی شکل چاہیں اختیار کر لیں، اور جس کے جسم میں چاہیں حلول کر لیں، کیوں کہ اس طرح نکاح وطلاق، میراث، امانت، عہد، وغیرہ سب نظام درہم برہم ہو جا سکتا ہے، ایک جنّ زید کی شکل بن کر زید کی بیوی کے پاس جاتا ہے، اس سے مقاربت کرتا ہے - - - - - -
- - - گھر سے نقد جنس جو چاہتا ہے اٹھالے جاتا ہے، کرسی عدالت پر حاکم سے پہلے ایک جنّ حاکم کی شکل بن کر جو چاہتا فیصلے سُنا دیتا ہے۔ قارض کا رُوپ دھار کر مقروض سے روپے وصول کر لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس قسم کے واقعات سرزد ہونے لگیں تو اصلی زید، اصلی حاکم اور اصلی قارض کی اصلیت کا بھی اعتبار اٹھ جائے گا۔ ایسا نہ کبھی ہُوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ اہلِ زبان کے نزدیک مجازاً جنّ کا اطلاق ایسے انسان پر ہوتا ہے، جو گرم مزاج، سرکش، متکبّر، استبداد پسند، جاہ طلب، مدّعیٔ غیب و کرامات، کاہن، پیر، گورو وغیرہ کی قسم سے ہو —— مٹی میں جمود ہے۔ اور شعلہ مزاجی میں جلد بازی "خلق الانسان من عجل" انسان پیدائشی جلد باز ہے۔ یہ آیت بعض مزاجوں کے اسی غلبہ ناریت کی طرف اشارہ ہے، جو

"خلق الجان من مارج من نار" میں واضح ہے۔

۳۔ قوم، معشر، نفر اور رجل ——— یہ چاروں لفظ غیر انسان پر نہیں بولے جاتے، چوں کہ قرآن مجید میں یہ چاروں ہی جنوں پر لائے گئے ہیں، لہٰذا جن یقیناً انسان میں داخل ہیں اور انسان کے معنی ہیں دکھائی دینے والا وجود، اور رجل بھی دیکھا جاتا ہے۔

۴۔ انسان کے سوا رسالت الٰہی کا حامل اور مخاطب کوئی مخلوق نہیں۔ جنوں میں انسان رسول آئے ہیں جن تمام تکلیفات شرعیہ حرام و حلال، نکاح و طلاق، صوم و صلوٰۃ، طہارت و تقویٰ، عفت و پردہ وغیرہ کے مکلف ہیں۔ حسب اعمال، دُنیوی اور اُخروی نعمتوں اور سزاؤں[۵۱] کے مستحق ہیں، اس لیے وہ لامحالہ انسان ہی ہو سکتے ہیں۔

۵۔ جن و انس آپس میں مجتمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے فائدے حاصل کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اس لیے یہ ایک ہی نوع یعنی انسان کی دو قسمیں ہیں

۶۔ حامل امانت صرف انسان ہے۔ جن امانت دار ہونے کے خود معترف ہیں لہٰذا وہ انسان ہی ہیں۔

۷۔ جن و انس ایک ہی نوع کی عورتوں سے مناکحت و معاشرت کرتے ہیں، اس لیے وہ ایک ہی نوع کے دو مختلف صفات والے گروہ ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

---

۵۱ سلیمان ع کے ذکر میں ان کی دُنیوی سزاؤں کا بیان ہو چکا ہے۔ (منہ)

تحقیقِ چراغ علی"

نواب چراغ علی مرحوم نے سلیمانی جنوں کے متعلق نہایت عمدہ تحقیق کی ہے، اس کے بعض اقتباسات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

"پرانی زبانوں میں ایسا محاورہ تھا اور اب بھی اس کے آثار ملتے ہیں کہ تمدن کی حیثیت نے بنی آدم کی دو تفریقیں کر دی تھیں، ایک تو شہری دوسرے دشتی اور جبلی .. .. .. اور جیسے بدوی اور حضری، ایسے ہی جن و انس تھے، کیوں کہ جن کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں اور انس جو چیز نظر آئے۔ جو لوگ حضرت سلیمانؑ کے ہاں پتھر تراشنے کا کام کرتے تھے ان کو جبلیم (سلاطین ۵/۱۸) یعنی پہاڑی کہا ہے اور قرآن میں ان کو جن اور شیاطین کہا ہے۔" (سلیمانؑ)

"قاموس میں عفر کے مادہ میں لکھا ہے اسم ارض وقلعہ بفلسطین واسم امراۃ والرجل کامل الضابط القوی۔ پس یہ عفریت جو سلیمانؑ کے دربار میں تھا۔ قبیلہ بنی عمالیق سے جو جن کہلاتے ہیں، ہوگا۔" (،، ص ۱۳)

"ملک صور یا شہر صور جبل لبنان کے رہنے والے جن اس وجہ سے کہلائے کہ عربی میں جنان پہاڑ کو بھی کہتے ہیں (قاموس) .. .. چوں کہ یہ سب آدمی بنی اسرائیلؑ سے غائب لبنان کے پہاڑ پر لکڑی اور پتھر کا کام کرتے تھے.. .. .. اس لیے بھی ان کو جن کہنا درست ہوا۔ اور ان کو شیطان کہنا بھی لغت کی راہ سے بہت درست ہے، کیوں کہ شیطان کے معنی مخالف اور دشمن کے ہیں.. .. .. بنی اسرائیل اپنے ماسوا جملہ اقوام کو اپنا مخالف اور دشمن جانتے تھے..

"..... جو لوگ کنعان کے قدیم بُت پرست قوم کے بقیۃ السیف رہ گئے تھے اور جن کو بنی اسرائیل نے ہلاک نہیں کیا تھا وہ یقیناً مذہبی اور مُلکی طور سے اُن کے مخالف تھے اور صور یا جبل لبنان کے رہنے والے بھی مذہبی مخالف تھے" الخ (ص ۲۸ و ۲۹)

"پتھر تراشنے والے ماہرانِ فن (سلاطین ۵/۱۸) جہازی کام دینے والے ملاحانِ پُرفن (سلاطین ۹/۲۷، حزقیل ۲۷/۹) اور غواصان نادر روزگار اور نیز وہ پردیسی اور اجنبی یعنی غیر قوم کے آدمی جو بوجھ اٹھانے اور پہاڑ کاٹنے کے کام میں لگائے تھے (تواریخ ۲/۱۷، ۱۸) جن کو قرآن میں جنّ وشیطان کہا ہے، یہ سب لوگ دراصل قنوطی، فلسطی اور کنعانی تھے ...... یہ قومیں جب بنی اسرائیل ان پر مسلط ہوئے "غیریلم" یعنی پردیسی اور اجنبی کہلائے اور داؤد و سلیمانؑ کے زمانہ میں یہ بالکل مطیع و منقاد ہوگئی تھیں اور اُن سے خدمتی کام لیا جاتا تھا" (تواریخ ۲۲/۲۰۸، سلاطین ۹/۲۰، تواریخ ۲/۱۷، ۱۸ و ۸/۷، ۸، ۹) صفحہ ۶

"صحفِ انبیاء میں ملک کنعان کو جنّ کہا ہے (یوشع ۲۲/۲) اور انجیل میں بھی جنّ آیا ہے (متی ۵/۲۲) ص ۶

"اگر یہ (جنّ) علم غیب جانتے ہوتے تو اُن (سلیمان) کے مرنے پر سرکش ہو جاتے ..... بعید نہیں کہ صور و صیدا کے آدمیوں یا بعضے (قدیم) کنعانی قبیلوں نے (جن کو جنّ کہا ہے) فنِ تنجیم یا اختر شناسی کا اظہار کیا ہو کیوں کہ یہ علم نجوم کلدانیوں کی قوم کا نکالا ہوا ہے، (ان) کو جہاز رانی کے لیے بھی اختر شناسی کی بڑی ضرورت تھی۔ (ص ۶۱، ۶۲)

ہر قوم نے بنی آدم کی دو تفریقیں کر رکھی تھیں:

"رومی اپنے ماسوا سب قوموں کو بربری اور جنگلی کہتے تھے۔ عرب اپنے ماسوا سب کو عجم کہتے تھے، پھر خاص عرب میں دو تفریقیں تھیں، اہل الحضر (شہری) اور اہل البدو

(صحرائی) احمر اور اسود اور ہند میں قدیم آریہ لوگ اپنے ماسوا آدمیوں کو دسو کہتے تھے[1]" (ص ۹۴)

آج یورپ بھی بنی آدم کو سفید و سیاہ میں تقسیم کر رہا ہے۔

علمی شہادت

آغازِ مضمون میں ذکر ہو چکا ہے کہ

"جن کی حقیقت پر غور کرنے کے لیے ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں "قرآن" اور "صحیفہ فطرت"۔ تیسری کوئی راہ نہیں جسے عقل قبول کر سکے"۔

قرآن مجید پر جہاں تک ہم سے بن پڑا، ہم نے غور کر لیا، اس سے مشہور عوام جن کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اب صحیفۂ فطرت کی طرف آئیے!

بلاشبہ بہت سے مرد، عورتیں اور بچے ایسے پیچیدہ حالات میں مبتلا پائے جاتے ہیں، جن کی کامل توجیہ ابھی تک طِب کے ذریعے نہیں ہو سکی ——— مثلاً" ایک شخص کے اعمال و اخلاق کا یکسر بدل جانا، تکلیف کے دورے کے وقت اس سے عجیب و غریب حرکات کا صادر ہونا، ایسا معلوم ہونا کہ اس کے اندر بالکل ہی کوئی دوسرا شخص گھس آیا ہے، اس کی آواز اور طرزِ گفتگو کا بدل جانا، اپنا نام بھول کر دوسرا نام بتانا، گھر والوں کو نہ پہچاننا، عجیب و غریب مطالبے کرنا، اور پھر بجائے دوا و علاج کے بسا اوقات عملیات، تعویذ، گنڈوں اور جھاڑ پھونک وغیرہ سے صحت یاب ہو جانا ——— اس نوع کے بے شمار مشاہدات ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قریب قریب ہر ملک اور ہر زمانے میں اس کے شواہد پائے جاتے ہیں۔ انجیل میں بد رُوحوں کے انسانی جسم میں گھس جانے کا عام طور

---

[1] مجھے ان اقتباسات کے حوالوں وغیرہ میں کتابت کی بعض غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔ میں ان کی تصحیح سے قاصر رہا ہوں اور اسی طرح نقل کر رہا ہوں۔ منہ

پر۔ ذکر کیا گیا ہے۔

"نفسیات" کے ماہروں اور معالجوں نے اس موضوع پر محتاط بحثیں کی ہیں جو علمی اور اصطلاحی رنگ رکھتی ہیں۔ یہاں ان کی تفصیلات پیش کرنا عام ناظرین کی دل چسپی کا باعث نہیں ہو سکتا، اس لیے نہایت سادہ اور مختصر نتائج پر اکتفا کیا جاتا ہے ـــــ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس مبحث کے بہت سے مشاہدات کی تشفی بخش توجیہ ابھی تک نہیں ہو سکی، اُلجھنیں آہستہ آہستہ دُور ہو رہی ہیں اور تحقیق کا قدم آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ وقت دُور نہیں جب انسانی علم و اثر اس کے متعلق زیادہ اطمینان کا احساس کر سکے گا۔

"بعض اوقات کسی ذہنی یا جسمانی مرض کی وجہ سے مریض اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور اس کی بجائے کوئی اور شخصیت اختیار کر لیتا ہے، بعض اوقات تو یہ اچانک اپنی تمام گزشتہ زندگی بھول جاتا ہے، اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں، اس کا نام بدل جاتا ہے، وغیرہ۔ اور ان کی بجائے نئی زندگی، نئے اخلاق، نیا نام وغیرہ اختیار کر لیے جاتے ہیں، لیکن چند ہفتوں یا مہینوں یا برسوں کے بعد اس کی اصلی شخصیت عود کر آتی ہے، شعورِ ذات کے اس فساد کو "متعاقب شخصیت کثیرہ" کہتے ہیں، اسی کی ایک اور صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ دوسری شخصیت پہلی شخصیت کے ساتھ، لیکن اس سے الگ رہتی ہے۔ ان دونوں شخصیتوں کے اخلاق وغیرہ بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ اس صورت کو "یک وقتی شخصیت کثیرہ" کہا جاتا ہے۔ دونوں حالتوں میں ضروری نہیں کہ نئی شخصیت ایک ہی ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ دو ہوں یا اس سے بھی زائد ـــــ "نفسیات فاسدہ" کی بحث بہت دل چسپ ہے۔"

اس اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض اپنے اندر دو یا زیادہ شخصیتوں کے وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اُسے اپنی ذات کا صحیح شعور نہیں رہتا —— بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر گھُسے ہوئے کسی جابر کے ہاتھوں اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہے اصطلاح میں اس کو (COMPULSION) کہتے ہیں۔

"یہ بھی ذہن کی ایک فاسد صورت ہے، اس کے مریض کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اُور خارجی قوت اس کے ذہن یا جسم یا دونوں میں کوئی فعلیت اس کی مرضی کے خلاف پیدا کر رہی ہے، مثلاً یہ کہ وہ نہیں چاہتا کہ وہ کچھ لکھے یا بولے، لیکن وہ لکھتا یا بولتا ہی چلا جاتا ہے۔"

اِس مرض کے اسباب کیا ہیں۔ ان میں سے بعض جواب تک دریافت ہوئے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

"زیادہ احتمال اس بات کا ہے کہ پہلے تو مریض کو آسیب زدگی کا یقین ہوتا ہے اور اس کے بعد ذہن کی حقیقی تقسیم ہوتی ہے۔"

یعنی وہ پہلے سے جن بھوت کا قائل ہوتا ہے، بعد میں اس کا ذہن دو یا زیادہ مختلف شخصیتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، چنانچہ اعتراف کیا گیا ہے کہ

"آسیب کی مثالوں کو جس زمانے اور جس ماحول سے تعلق ہے، اس میں لوگ آسیب کے قائل تھے، لیکن آج کل ہمارے زمانے میں یہ عقیدہ مٹتا جا رہا ہے۔ توہمات کا دَور دَورہ اس واقع کا ذمہ دار ہے کہ خفیف ترین جبر[۵] کسی کے "سائے" کا نتیجہ کہہ دیے جاتے ہیں۔"

۵ یعنی (COMPULSION) اس کے متعلق حاشیہ گزشتہ کو آئندہ سامنے رکھیں۔

"زمانہ حال کے علم امراض نے ثابت کیا ہے کہ خود ان اعمال سے کسی حقیقی باطنی تقسیم کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ہر اس شخص کو، جسے آسیب زدہ کہا جاتا ہے، شخصیت کی واقعی تقسیم کا تجربہ نہیں ہوتا۔"

یعنی اس میں فی الواقع ایک سے زیادہ شخصیتیں نہیں ہوتیں، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے ——— اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو

"پھر یا تو آسیب کی ماہیت کے متعلق مروّجہ توہم کو بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا جاتا ہے......"

اس کی اصل وجہ سنیے:

"یہ اثر آسیب زدہ لوگوں کو محض دیکھنے ہی سے پیدا نہیں ہوتا، اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ مریض کی حالت کو جن بھوتوں کے سائے کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔"

"اس کی ابتدا وہم سے بھی ہوتی ہے۔ شروع میں تو ایک شخص تھوڑے سے فاصلے پر دکھائی دیتا ہے، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ اس فرد کے قریب آتا جاتا ہے اور پھر اچانک اس کو پکڑ کر اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ فرد اس شخص کا اوتار بن جاتا ہے، اس طرح کے آسیب کی بنیاد بداہتہً خام ترین تخیلات پر ہے۔ اس میں نہ صرف ایک اجنبی روح بلکہ ایک اجنبی جسم بھی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔"

پروفیسر ٹی۔ کے۔ آئس ٹراش (T.K.OESTERREICH) نے اپنی کتاب[1]

---

[1] اس مضمون کے تمام گزشتہ و آئندہ اقتباسات اسی کتاب کے ترجمہ مطبوعہ رسالہ "سائنس" (حیدرآباد دکن) سے لیے گئے ہیں۔ (عرشی)

(POSSESSION, DEMONIACAL AND OTHER) میں مریضانِ آسیب کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بعض اور مثالوں میں مریض کا اپنے آسیب کو خود اپنے اوپر پیدا کرنا بالکل بدیہی ہے، جیسا کہ جاپان کی مندرجہ ذیل مثال سے ظاہر ہے، جس کو 'بیالٹس' (BALTZ) نے بیان کیا ہے۔ یہ مریض میعادی بخار میں مبتلا رہ کر اچھا ہُوا تھا۔ لیکن ابھی کمزوری باقی تھی۔ ویسے بھی یہ پیدائش ہی سے کمزور اعصاب والا شخص تھا، اس مثال میں آسیب حیوانی تھا، یعنی یہ کہ مریض کا خیال تھا کہ اس کے سر کوئی آدمی نہیں بلکہ کسی حیوان کی روح آتی ہے۔"

"سترہ برس کی ایک زود رنج اور وہمی لڑکی بہت شدید میعادی بخار کے بعد اچھی ہو رہی تھی، اس کے پلنگ کے ارد گرد اس کی رشتہ دار عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک ذکر کر رہی تھی کہ "اس کے گھر کے قریب شمالی لومڑی کی طرح کا کوئی جانور پھرتے دیکھا ہے۔" یہ چیز ذرا شبہ انگیز تھی، یہ سُن کر مریضہ پر رعشہ طاری ہُوا، اور اس کو آسیب ہو گیا۔ یہ (خیالی) لومڑی اس میں داخل ہو گئی تھی اور دن میں کئی مرتبہ اس کے مُنہ سے بولتی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ اس لڑکی پر پوری طرح حاوی ہو گئی، یہاں تک کہ اس کو ڈانٹنے اور اس پر ظلم ڈھانے لگی۔"......

"سب سے آخر میں ہم اس اہم واقع کی طرف اشارہ کریں گے کہ اکثر اوقات خود معالج بالکل ناقابلِ توجہ ابتدا سے آسیب کی تربیت کرتا ہے۔ یہ واقعہ اہم اس وجہ سے بھی کہ اس قسم کی ہیبت پر یقین کے زیر اثر آسیب کی کثرتِ وقوع

کی توجیہ ہوتی ہے۔"

اس کی تائید میں مجھے ایک قریبی شہادت یاد آگئی۔ کئی سال گزرے، امرت سر میں ایک معالجِ آسیب حافظ ...... ایک دوسرے ضلع سے آکر ایک مسجد میں مقیم ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کے تقدس، دم، تعویذ اور دستِ شفا یا نگاہِ شفا کی شہرت دُور دُور پہنچ گئی۔ ہندو، مسلمان، مقلّد، غیر مقلّد ہر قسم کے لوگ حیرت سے ان کی تاثیرِ توجہ کا ذکر کرتے۔ چند سال ان کی ہما ہمی رہی، آخر ایک "جنسی ارتکاب" کے سبب اُن کی ہر دل عزیزی کے آفتاب کو گہن لگ گیا۔ اُس زمانے میرے اُن کے درمیان تعارف و ملاقات کا سلسلہ پیدا ہو گیا۔ اب وہ قریباً گوشہ نشین سے رہتے تھے۔ ایک دن مَیں نے اُن سے آسیب کی حقیقت دریافت کی۔ تھوڑی سی لیت و لعل کے بعد انھوں نے بتایا کہ "اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ بعض حالتوں میں جنسی خواہش کی افراط تصنّع سے آسیب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہم حقیقت دریافت کر کے اس خواہش کی تکمیل کرا دیتے ہیں، مرض دُور ہو جاتا ہے، لیکن عموماً یہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دوسرے امراض سے پیدا شدہ وہم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ (یعنی معالجِ آسیب) اپنی تائید سے اس وہم کو اور قوی کر دیتے ہیں۔"

اس کے ثبوت میں اُنھوں نے ایک آپ بیتی سنائی:

"ہمارے قریب کوچہ ...... میں ایک مریضہ کو آسیب کا وہم ہوا، تیمارداروں نے مجھے بلایا، مَیں نے مریضہ کی حالت دیکھ کر کہا کہ مَیں جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کے ۱۲ بجے آؤں گا اور اس جن کو حاضر کروں گا، جو

مریضہ کو تکلیف دے رہا ہے، پھر ہمیشہ کے لیے اُس کو اس کے سر سے دُور کر دُونگا۔

—— چنانچہ مَیں نے شب وعدہ ایک ہم راز کو سیاہ لباس پہنا کر ساتھ لیا اور چل پڑے، دروازہ ہمارے انتظار میں کھُلا تھا، مَیں نے "حسب قرارداد" سیاہ پوش ساتھی کو دبے پاؤں اوپر کی چھت پر روانہ کیا اور مریضہ کے کمرے میں داخل ہو گیا، مَیں نے بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا شروع کر دیا، کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد چھت پر قدموں کی پُرہول چاپ سُنائی دی۔ مَیں نے حاضرین سے کہا "جن آگیا ہے، تم اِس کمرے سے نکل جاؤ۔ اتنے میں سیڑھیوں میں (مجوزہ) جن کی آمد معلوم ہوئی۔ اب اس نیم تاریک کمرے میں ہم تینوں مریضہ، جن اور معالج تھے۔ "حسب قرارداد" جن سے مکالمہ ہُوا اور کچھ شرائط (جنس، مال وغیرہ کی وصولی) کے بعد ہمارے جناب جن صاحب نے ٹل جانے کا وعدہ کیا، اور آہستہ آہستہ اپنے پُر آواز اور باوقار قدم اٹھائے ہوئے ڈیوڑھی سے ہوتے ہوئے دروازے سے باہر ہو گئے —— مَیں نے اپنا اور جن کا نذرانہ وصول کیا اور رخصت ہُوا —— مریضہ صحت یاب ہو گئی —— اب اگر مَیں بھی قسم کھا کر مریضہ اور اُس کے تیمارداروں کو کہوں کہ جن کوئی شے نہیں، محض وہم ہوتا ہے، تو وہ تسلیم نہیں کریں گے، کیوں کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں" ——

اس کے بعد حافظ صاحب موصوف نے کہا۔ ہم لوگ کتنا بھی انکار کریں، عوام کالانعام خواہ مخواہ ہم کو فوق البشر سمجھتے، نذرانے دیتے اور "مرادیں" حاصل کرتے ہیں۔

ایسا ہی نوعمری کے زمانے کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک "جن باز" پیر کا ایک مرید میرا آشنا سا تھا، اس نے اپنے پیر سے میرے انکارِ جن کا ذکر کیا، اس

نے کہا، بھائی! ہم ثبوت تو دے سکتے ہیں، لیکن اس میں منکر کی جان کا خطرہ ہے۔ اس خطرے کی تشریح یہ ہے کہ لاہوری دروازہ سے باہر تالاب کے ایک کونے پر جو فصیل سی بنی ہوئی ہے۔ ہر جمعرات کی شام کو عین مغرب کے وقت وہاں جن غسل کو آتے ہیں۔ منکر کو چاہیے کہ اس وقت وہاں جا کر نہائے، پھر اگر وہ وہاں سے سلامت آ گیا تو سمجھ لینا کہ وہ سچا ہے اور جن کا وجود محض ڈھکوسلا ہے —— مرید صاحب نے مجھے اس خوفناک دھمکی کی اطلاع دی، مَیں مرعوب ہونے کی بجائے ڈٹ گیا، جمعرات کو مَیں، میرا ایک دوست اور وہ مرید تالاب کی طرف روانہ ہوئے۔ مَیں نے یہ پارٹ پوری طرح ادا کیا، نہا کر زندہ و سلامت گھر پہنچا، مرید نے دیکھا کہ دوسرے تیسرے دن تک بھی میرا بال بیکا نہیں ہُوا۔ اس نے پیر صاحب کو واقعہ کی اطلاع دی اور پیری مریدی کے دام سے نکل گیا۔ اس کے اثر سے اور بھی بہت سے مرید "مرتد" ہو گئے۔ اس کے بعد مَیں نے اُن پیر صاحب کو دیکھا نہ سُنا۔

اسی قسم کے اور بھی متعدد تجربے تحقیقِ جن کے دوران مجھے حاصل ہوئے ہیں، جن کی اصلیت ماننے والوں کے خوف و وہم کے سوا مجھے کچھ نظر نہیں آئی۔

یورپ کی موجودہ ترقیوں کا سرپوش اٹھا کر درمیانی صدیوں کا نظارہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہی لوگوں نے سارے ملک پر جن بھوت کا سایہ ڈال رکھا تھا، ایک رومانوی مصنفہ

سوئے بی ان" (SUIABIAN) ان وحشی قوموں کے درجے پر اُتر

آئی ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ تمام امراض اور بدبختیاں بھوتوں اور جنوں کی پیدا کردہ ہوتی ہیں، یہ جرمنوں کی قرون وسطیٰ کی عیسائیت کا احیاء تھا، جس کے مطابق بعض حالات میں جانوروں اور گھروں کو بھی آسیب ہوتا ہے، لہٰذا ان پر بھی جھاڑ پھونک کی جاتی ہے۔"

یہ خیال بھی مغرب و مشرق میں مشترک ہے، یہاں بھی بعض گھروں اور جانوروں کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ گھروں کی خاص کوٹھڑیوں میں چراغ جلایا جاتا ہے اور بعض عورتوں یا عورت قسم کے مردوں کی شہادت بیان کی جاتی ہے کہ فلاں کونے میں کبھی کبھی ایک سفید ریش، سفید پیراہن بزرگ دیکھا گیا ہے، جو وہیں نمودار ہو کر غائب ہو جاتا ہے، اس لیے اس کونے یا اس مکان کو خوف ناک یا متبرک وغیرہ سمجھا جاتا ہے۔ مرطوب اور تاریک مکانوں میں مہلک جراثیم کو پرورش پانے کا بہت اچھا موقع ملتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے یکے بعد دیگرے موت کا شکار ہوتے ہیں تو مکان کو محل آسیب سمجھ لیا جاتا ہے۔

پروفیسر نی۔ کے آگے چل کر لکھتے ہیں:

"صرف نو آموز یا شریر النفس اشخاص اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں، سحری مقناطیسی علاج کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ان مریضوں کے ذہنوں میں ایک خبیث شخصیت کا خیال پیدا کیا جائے۔"

"نفسی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ اب بھی جاہلوں پر قابلِ استعمال ہے۔"... ..

"آسیب زدگی کی مثالیں غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ایک لکھے پڑھے شخص میں آسیب زدگی کی مثال شاذ ہی ملتی ہے۔ یہ مرض صرف اُن لوگوں کو لاحق ہوتا ہے جو نظامِ معاشرت میں کم تر درجہ رکھتے ہیں، اسی سے جنّوں کے ناشائستہ لب و لہجے کی توجیہ ہوتی ہے۔"

یعنی اہلِ علم و دانش ایک شخصیت کے اس دُہرے پن کے فریب میں مبتلا نہیں کیے جا سکتے۔ شریر النفس لوگوں کے دلوں میں اپنی شرارت کے باعث خود چور موجود رہتا ہے، اس لیے ان کا اس غلط فہمی میں مبتلا ہونا بھی دشوار نہیں۔ موصوف نے اس کے علاج کے متعلق لکھا ہے:

"آسیب کا علاج ہمیشہ ایمائی (حُکمی) نوعیت کا ہوتا ہے، عملیات یا تعویذ گنڈوں سے بھی اس کا دفعیہ ہو سکتا ہے (اس سے مریض کی قوتِ ارادہ کو متاثر یا قوی کیا جاتا ہے۔ ع) یعنی جن یا شیطان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ آسیب زدہ شخص کو چھوڑ کر چلا جائے، انجیل مقدس کے قصے جنّ کو دفع کرنے کے طریقوں کی عمدہ مثالیں ہیں، حضرت عیسیٰ کے وقت میں، اس سے پہلے یا اس کے بعد ان طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ عامل جن کو مخاطب کرتا ہے، اور دھمکیاں دے کر، اور دیوتاؤں کا واسطہ دے کر اس کو ترغیب دلاتا ہے کہ وہ آسیب زدہ شخص کو چھوڑ دے۔ عام طور پہ جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے وہ دھمکیوں اور حکموں کا ہے" ـــــ (مسلمان عامل دیوتاؤں کی بجائے حضرت سلیمانؑ کا واسطہ دیتے ہیں۔ ع)

"عملیات آسیب کا بالکل عکس ہوتے ہیں۔ آسیب کی پیدائش اس طرح

ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو آسیب زدہ سمجھ لیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر عملیات کامیاب ہوتے ہیں تو اس کا دفعیہ اس طرح ہوتا ہے کہ آسیب زدہ شخص یقین کرلے کہ اس کا آسیب باقی نہ رہے گا"

طبِ قدیم کے ابتدائی تاریخی حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہر مرض کا باعث جن، بھوت، بدروحیں وغیرہ ہی سمجھی جاتی تھیں، جیسے جیسے اسبابِ امراض دریافت ہوتے گئے، اس خیال میں کمی آتی گئی۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بیماری اور آسیب ان دنوں میں ایک ہی سمجھے جاتے تھے"

پھر علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

"جھاڑ پھونک میں جن کو حکم دیا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے اور دعاؤں کا مصرف یہ ہے کہ آسیب زدہ شخص کو تقویت ہو، جن سے نجات پانے کی اس کی خواہش پختہ ہو اور خدائی طاقت پر اس کا بھروسہ زیادہ ہو، تاہم ایک دفعہ کی جھاڑ پھونک سے مریض کو شاذ ہی صحت ہوتی ہے، اسی لیے اس کا سلسلہ کئی کئی دن، ہفتے، مہینے اور برس تک جاری رہ سکتا ہے"

"مذہبی شخص اور (مذہبی۔ ع) زبان کا صرف تقدس بھی مریض پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مسیحی مریضوں پر یہ تمام جھاڑ پھونک لاطینی زبان میں ہوتی تھی اور مریض بالعموم اس زبان سے ناآشنا تھے"

"ان تمام جھاڑ پھونکوں میں ایک مشترک چیز یہ ہے کہ عامل شیطان کو

مخاطب کرتا ہے نہ کہ مریض کو۔"

"عملیات اور جھاڑ پھونک کی کام یابی کا انحصار اصولاً عامل کے اقتدار اور بیعانہ (حکم دینے) کی قوت پر ہوتا ہے"

جھاڑ پھونک میں جن کو سچ مچ ایک واقعی ہستی سمجھ کر مخاطب کیا جاتا ہے اور اس سے آئندہ کے لیے مریض کے سر سے ٹل جانے کی سوگند لی جاتی ہے اور بڑے خلوص سے دعا کی جاتی ہے:

"اگر یہ دعا اور سوگند اس اعتقاد کے ساتھ نہیں ہوتی کہ ایک حقیقی مجسم جن موجود ہے (نہ کہ مرض) تو صحت حاصل ہی نہیں ہوتی۔"

"جس طرح جن کو سوگند دلانے والے شخص کے لیے مضبوط ایمان[1] کی ضرورت ہے، اسی طرح مریض کو بھی چاہیے کہ وہ بھی تا حد امکان اپنے اعتقاد میں ضعف پیدا نہ ہونے دے اور ہر اس چیز سے دور رہے جو اس میں یہ ضعف پیدا کرے، اس اعتقاد کے ساتھ عمل کرنے والے (عامل) گنواریوں میں ملتے ہیں نہ کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں۔"

پروفیسر موصوف نے ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں کہ

"آسیب زدہ لوگ جن کے کام ہی کو اپنے اندر محسوس نہیں کرتے وہ اس کو دیکھتے اور سنتے بھی ہیں"

حالاں کہ یہ سب کچھ ان کے اندرونی فساد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض

---

[1] لیکن اس کے برعکس بھی دیکھا گیا ہے، جیسا کہ میں اوپر حافظ..... صاحب کے ذکر میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ جنوں کے قائل نہ ہوتے ہوئے دوسروں کے جن نکالتے تھے۔ (عرشی)

مذہبی لوگ وحی و نبوت کے خبط میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ ان کو "فرشتے" نظر آتے ہیں اور ان کے کانوں میں "وحی والہام" کی آوازیں پہنچتی ہیں۔ ان میں صحیح و غلط کی آمیزش ہوتی ہے، وہ صحیح کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور غلط کی تاویل کرتے ہیں ـــــ ایسے لوگ کاذب نہیں کہے جا سکتے، البتہ ان کے خبطی یا مراقی ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا، لیکن یہ خبط یا مراق اتنا کھلا ہوا نہیں ہوتا کہ ہر شخص اس کا اندازہ لگا سکے۔ بہت سے غلط مذہبی قسم کے سادہ لوح ان کے "تقدس" کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کی نگاہ تقدس کے حجابِ سنگین کے پیچھے چھپے ہوئے دماغی نقص کو نہیں دیکھ سکتی ـــــ ایک دانش مند کا قول ہے کہ ہر سو آدمی میں قریباً ۵، شخص ایسے ہوتے ہیں جو سلامتی دماغ سے محروم ہوتے ہیں ـــــ بہت سے وکیل، بیرسٹر، جج، سوداگر، پروفیسر، لیڈر، فلسفی، عالم، پنڈت، ایڈیٹر وغیرہ انہیں ۵، فی صدی "غیر نمایاں پاگلوں" کی قسم کے انسان ہوتے ہیں۔

گناہ ضمیر اور خدا سے بغاوت کا نام ہے۔ گناہ پر جرأت کرنے والا، قانونِ فطرت سے اور خود اپنے سے بغاوت کرتا ہے۔ صحیفۂ فطرت میں اس کو برداشت کرتے رہنے کا کوئی قانون نہیں ہے، اس کا نتیجہ دیر سویر ضرور نکلتا ہے۔ بسا اوقات ایسے ناپاک دل کی گناہ گاریوں، پشیمانیوں اور دہشتوں کا بھوت مجسم ہو کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے خواب و بیداری دونوں کو اطمینان سے محروم، لرزندہ و خائف رکھتا ہے۔ "ٹی کے ایس" نے ایک ایسے ہی شخص کا حال لکھا ہے:

"مریض آسیب زدہ معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا مرض آسیب نہ تھا، بلکہ تاسیف

کا جذبہ تھا، اکثر آسیب زدہ اشخاص کا یہی حال ہوتا ہے، جن ٔصل میں ان کے تاسف، پشیمانیوں، وحشتوں اور گناہوں کا مجسمہ ہوتا ہے، ہمیں ایکیلے[1] کے ذہن سے اس کے تاسف اور اس کی بے راہ روی کی یاد کو محو کرنا تھا، لیکن یہ آسان کام نہ تھا، بھولنا اتنا آسان کام نہیں ہوتا، جتنا کہ اس کو عام طور پر فرض کر لیا جاتا ہے[2]"

آگے چل کر "عام بیانات" کے زیرِ عنوان لکھا ہے:

"آسیب کی پیدائش (خصوصاً سنگین صورت میں) کو واقعۃً جنوں پر اعتقاد کا لازمہ سمجھنا چاہیے۔ یہی اعتقاد، خود ایمائی[3] کی مدد سے آسیب کی پرورش کرتا ہے اور اس کو باقی رکھتا ہے۔"

"عمر کے لحاظ سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آسیب فلاں عمر میں پیدا ہوتا ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ عورتوں کو بہت زیادہ ہوتا ہے، "کرنر[4]" نے تیرہ مثالیں بیان کی ہیں، ان میں سے صرف دو مرد ہیں، جن کی عمریں علی الترتیب ۳۷ اور ۱۷ برس کی تھیں، باقی سب لڑکیاں یا عورتیں ہیں، جن کی عمریں جہاں تک تحقیق ہو سکا ہے۔ ۸، ۱۰، ۱۱، ۲۰، ۳۱، ۲۷، ۳۴، ۳۶ اور ۷۰ برس کی تھیں، یہ تمام اعداد و شمار ان اعداد و شمار کے بالکل مطابق ہیں، جن کو اوروں نے بیان کیا ہے، سوائے اس کے کہ ان میں مردوں کی تعداد (اور بھی) کم ہے ..... آسیب زدہ شخص تقریباً سب کے سب نیچے کے طبقے کے غیر تعلیم یافتہ تھے۔"

---

[1] مریض کا نام ہے۔ [2] یہ ایک زبردست نفسیاتی حقیقت ہے۔

[3] اس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ مریض کا اپنا وہم اس پر آسیب زدہ ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔ منہ۔ [4] KERNER، آسیب کے ایک ماہر مصنف کا نام ہے۔ منہ

"سیگلا" نے ایک عجیب مثال اپنی چشم دید بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"ایک عورت نے اعتراف کیا کہ اس پر جن کا سایہ ہے جو اس کے جسم میں جراثیم کی شکل میں داخل ہوا، ان جراثیم کا اس نے عجیب و غریب نام لیا، یہ جراثیم اس کو ستاتے تھے۔ اس مثال میں دو خیالات جمع ہوئے ہیں۔ ایک شیطانی آسیب کا، دوسرا جراثیم کا، جن نے جراثیم ہی کی صورت اختیار کی۔"

ایک ذہن اخاذ اس مثال سے بہت کچھ اخذ کر سکتا ہے۔ روایتی ماحول کا اثر مریضہ کو جن کی طرف بلا رہا ہے اور موجودہ علم، جراثیم کی شکل دکھا رہا ہے ——— فرانس کے نفسیات کے فرینکو انیگلو سیکس سکول کے صدر "پی ژانے" نے اپنے ایک بیان کے آخر میں ایک عجیب فقرہ لکھا ہے:

"آسیب پر اعتقاد ایک نفسیاتی حقیقت کا جاہلانہ نام ہے۔"

"ژانے" کو آسیب کے نفسیاتی حقیقت ہونے کا انکار نہیں، لیکن وہ اس نام کو جاہلانہ قرار دیتا ہے۔ اس نام کے فرق کے متعلق "ٹی۔ کے" لکھتا ہے:

"جن حالتوں کو قدیم زمانے میں آسیب کہا جاتا تھا، ان سب کو آج کل آسیب نہیں کہا جاتا۔"

"ریخر" (RICHER) کی کتاب میں بعض ہسٹیریائی حالتوں کا جو بیان پایا جاتا ہے، اس کا مقابلہ اگر آسیب کے بیانات سے کیا جائے تو ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ان دونوں کے مظاہر بالکل ایک ہیں، دونوں میں تشنج اور

---

[1] امراض کو شیطانی اثر کہنا بہت قدیم اصطلاح ہے۔ قرآن میں حضرت ایوب نے اپنے مرض کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے "مسنی الشیطٰن بنصب و عذاب"۔ مجھے شیطان چھو گیا ہے دکھ اور تکلیف کے ساتھ۔ منہ۔ [2] ایک فرنچ نفسیاتی معالج آسیب کا نام۔ منہ

شدت، ہیجان، ایک ہی سا ہوتا ہے اور اس پہ بھی سب کا اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حالتوں میں بعض مریض اپنی اپنی کیفیات کا پورا علم اور اس کی پوری یاد رکھتے ہیں"

آگے چل کر "ٹی۔کے" نے اس اعتقاد کے تدریجی تاریخی تغیر کا ذکر کیا ہے:

"اب آج کل خصوصاً ۱۸ویں صدی میں اور اس سے بھی زیادہ ۱۹ویں صدی سے جنوں پر اعتقاد اٹھتا جا رہا ہے"

"مُردہ لوگوں کی روحوں کے اس خیال کو کہ وہ آدمی کے اندر داخل ہو سکتی ہیں، غیر متمدن ابتدائی زمانے میں بہت جلد قبول کر لیا جاتا تھا، کیوں کہ اس زمانے کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بعض روحیں اور خاص کر جرائم پیشہ لوگوں کی ذلیل روحیں آوارہ پھرتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر خبیث اور بُری روحیں ہی آسیب پیدا کرتی ہیں"

پہلی رُوح کی موجودگی میں دوسری خبیث روح کے جسم میں داخل ہونے کی کئی مثالیں بیان کر کے لکھا ہے:

"سوال یہ ہے کہ ان مثالوں میں کیا ہم کو دو ذاتوں سے سابقہ پڑتا ہے؟ اگر اس قیاس کو صحیح مان لیا جائے تو اس کی صرف دو امکانی تاویلات ہیں، یا تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ ایک بالکل نئی ہستی فعلیاتی یا مابعد الطبیعاتی طریقے سے پیدا ہوتی ہے، جس کو پہلی طبعی ذات سے ماسوا اس کے اور کچھ تعلق نہیں ہوتا کہ ان دونوں کی ایک ہی فعلیاتی یا مابعد الطبیعاتی اصلیت ہے، یا پھر یہ کہ پہلی ہی ذات کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں"

یہ ایک شک میں ڈالنے والا بیان ہے، اس کا فیصلہ کیوں کر ہو۔

" خالص ذہانت یا صرف فہم کی مدد سے ہم کسی طرح بھی تصور نہیں کر سکتے کہ یہ تقسیم کیوں کر ہوتی ہے "!

اور علم و تجربہ کی رو سے بقول پروفیسر "ٹی۔ کے"

" ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ ایک ذات کیوں کر منقسم ہو سکتی ہے...... پہلی ذات میں سے دوسری کا پھٹنا ہمارے لیے ناقابل تحقیق ہے۔ ...... نفسیاتی اور تجربی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ تقسیم ہوتی ہی نہیں، ذات ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے، اگر اس کی حالتوں اور اس کے تاثرات میں تبدیلی ہوتی بھی ہے، تب بھی یہ وہی ایک ذات رہتی ہے، اس کو کوئی اور ذات نہیں سمجھا جا سکتا۔ ... ذات کی تقسیم کے امکان کے متعلق ہمارا خیال کچھ بھی ہو، ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے موجودہ علم کی حد تک یہ تقسیم ناقابل ثبوت ہے اور میرا ذاتی خیال ہے کہ اس ثبوت کا کوئی راستہ بھی ہمیں نظر نہیں آتا"

" اگر ذات کی مابعد الطبیعاتی تقسیم یا جسم میں نئی ذات کے ظہور کو مان لیا جائے تو پھر ہم آسیب کے قدیم نظریے کی طرف پلٹ آتے ہیں، جس کی رو سے جسم کے اندر دو مختلف ذاتیں ہوتی ہیں۔ فرق ان دونوں نظریوں میں یہ رہ جائے گا کہ پہلی ذات کی مابعد الطبیعاتی تقسیم ہوتی ہے یا ایک نئی ذات داخلی طور پر ظاہر ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ نظریہ فرض کرتا ہے کہ یہ ایک بالکل نئی ذات ہے جس کا اس سے قبل کوئی وجود نہ تھا، لیکن قدیم نظریے کی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مریض کے جسم میں حلول کرتی ہے،

متذکرہ بالا اقتباسات کسی مزید تشریح کے محتاج نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس مقام پر علم النفس کے ماہر آج پہنچ رہے ہیں اور آئندہ پہنچنے والے ہیں۔ قرآن ۱۳۰۰ صدی پیشتر سے اس کی اطلاع دے چکا ہے، وہ نفسیات کی اس ساری تحقیق انیق کو ایک لفظ "وسواس" میں بیان کر دیتا ہے، اس کے معنی ہیں خطرۂ ردیّہ، دل کا ناپسندیدہ اندیشہ، آسیب کی ساری عمارت اسی پر تعمیر ہوتی ہے اس کے محرکات داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی، جن کو آج کل کی اصطلاح میں خود ایجازی اور غیر ایجازی کہتے ہیں۔ قرآن دونوں کا ذکر کرتا ہے:

نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (ق۔۱۶)	ہم (اللہ) جانتے ہیں جو وسوسے انسان کا نفس پیدا کرتا ہے (یہ ہے داخلی یا خود ایجازی)

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ. (اعراف۔۲۰) ان دونوں (آدم وحوا) میں شیطان نے وسوسہ ڈال دیا۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (الناس) نظر نہ آنے والے کی وسوسہ اندازی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

یہ دو آیتیں صراحتہً داخلیت کی شہادت نہیں دیتیں، اس لیے ممکن ہے کہ ان سے خارجی موثرات مراد ہوں، جنہیں غیر ایجازی کہا جاتا ہے جس طرح خارج سے عام امراض کے جراثیم مستعد طبائع میں داخل ہو کر جسم کے طبعی نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وسوسے کے نظر نہ آنے والے (خناس) جراثیم سینوں میں گھس کر اپنا عمل کرتے ہیں (فی صدور الناس) شاید عوام وسوسے کو معمولی چیز سمجھتے ہوں، لیکن قرآن کے نزدیک اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ سورۂ فلق میں تمام مخلوقات کے شر سے بچنے کے لیے صرف ایک صفت "ربّ صبح" کی پناہ چاہی ہے۔ (اعوذ برب الفلق من شر ما خلق)

لیکن تنہا وسوسے کے شر سے بچنے کے لیے تین صفاتِ عظیمہ کی پناہ میں آنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ حیث قال:-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(الناس)

کہہ! میں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی پناہ چاہتا ہوں، چھپنے والے کے وسوسے کی بدی سے جو انسانوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنّ و انسان دونوں ہی اس کے وسوسے کا شکار ہوتے ہیں۔

یہ خناس و شیطان کے اثرات غیر محسوس حالت سے شروع ہو کر نمایاں سے نمایاں مہلک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ - ٢٧٥)

سود خوار لوگ اس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس کو شیطان نے اپنے اثر سے باولا کر دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ آیت آسیب کی اصلیت کو بہت زیادہ کھول رہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن جسمانی، روحانی اور اخلاقی وغیرہ ہر قسم کے امراض کے ابتدائی اسباب کو شیطانی ذریت یا جراثیم قرار دیتا ہے۔ اگر اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تو طویل فرصت کی ضرورت ہے اور مضمون پہلے ہی کافی طویل ہو چکا ہے ــــ اس کو اس آخری گذارش پر ختم کرتا ہوں کہ قرآن مجید پر علم و تحقیق کے اسلوب سے غور کرنے والے بزرگ مجھے میری کوتاہیوں سے مطلع فرمائیں، اور اس موضوع پر مزید روشنی ڈالی کر عند اللہ ماجور ہوں۔

عرشی

کامیاب زندگی

کامیاب زندگی، یورپ کے شہرۂ آفاق مصنف ہربرٹ این گیبس کی مایۂ ناز تصنیف (CLIMBING UP) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنی زندگی کے وہ تمام تجربے بیان کر دیے ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی ترغیب حاصل کریں گے۔ اس کتاب کے گیارہ باب ہیں اور ہر باب میں ایسی صاف، سچی اور قیمتی معلومات معلومات دی گئی ہیں جو زندگی کے ہر میدان میں ہمارے کام آسکتی ہیں۔ دوستی، ذمہ داری، انتظام، صحت، مطالعہ، سرمائے کا استعمال، کاروبار چلانے کے طریقے، ملازمت میں ترقی حاصل کرنے کے گر نہایت عمدگی اور خوبصورتی سے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے۔ ناممکن ہے کہ آپ اس کا مطالعہ کریں اور آپ کے دل میں اعلیٰ اور کامیاب زندگی بسر کرنے کا اشتیاق پیدا نہ ہو۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ اور جلد عمدہ۔ ضخامت ۱۷۵ قیمت عہ

پیچیدہ بچے

یہ کتاب بچوں کی نفسیات کے ایک تجربہ کار ماہر کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن بچوں میں ذہنی، دماغی، اخلاقی اور نفسیاتی خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو اپنے والدین کو ہر وقت تنگ کرتے رہتے ہیں، جو تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے، انہیں سائنٹیفک طریقوں سے کیوں کر سدھارا جا سکتا ہے۔ بہت مفید اور قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔ پنجاب گورنمنٹ اور پنجاب یونیورسٹی نے اس کے مصنف کو اول درجے کے انعامات دیے ہیں۔ قیمت فی جلد عہ

ختمِ نبوت

اس کتاب میں مسئلہ ختمِ نبوت کے متعلق دنیائے اسلام کے چیدہ چیدہ علماء و مشاہیر مثلاً علامہ سید رشید رضا مصری، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبالؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حافظ محمد اسلم جیراجپوری، شمس العلماء حافظ محب الحق عظیم آبادی، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت خواجہ احمد الدینؒ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر خواجہ سعید اللہ ایم اے، چودھری غلام احمد صاحب پرویز، مولانا [illegible] صفحات ۱۴۲ مجلد قیمت عہ

مکتبہ اُمّتِ مسلمہ (ہند) امرتسر

تین بے مثال کتابیں

دو قرآن

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے، پی ایچ، ڈی کی وہ معرکہ آراء تصنیف، جو تین سال کے اندر اندر تین مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ قرآن حکیم کے ساتھ فطرت اور سائنس کا کیا تعلق ہے۔ روزنامہ "انقلاب" لاہور نے مخیر مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس کتاب کو ہزارہا کی تعداد میں خرید کر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مفت تقسیم کریں۔ آل انڈیا ریڈیو پشاور سے "دو قرآن" پر جو ریڈیو براڈکاسٹ کیا گیا تھا۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: "کتاب سائنس کے انکشافات سے لبریز ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔" لکھائی چھپائی کاغذ اور جلد عمدہ۔ ضخامت ۳۵۲ صفحات، قیمت ۲/-، محصول ڈاک ۶/

ہمارے دینی علوم

علامہ اسلم جیراج پوری کے پانچ فاضلانہ مقالات کا مجموعہ، جن میں علم حدیث، علم تفسیر اور فقہ پر نہایت جامعیت اور قابلیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ طرز بیان سلیس اور شگفتہ، لکھائی، چھپائی، کاغذ اور جلد عمدہ۔ ضخامت ۱۰۴ صفحے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ محصول ڈاک ۶/

براہین وحی

چند سال ہوئے، نیاز فتح پوری نے اپنے رسالہ "نگار" میں بعض مضامین لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ قرآن مجید الہامی کتاب نہیں، بلکہ رسول اللہ صلعم کی اپنی تصنیف ہے۔ "براہین وحی" ان ہی مضامین کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس میں علامہ اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، ڈاکٹر دتیا نیہ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد ادریس نگرامی، حکیم محمد حسین عرشی اور مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہم کے نہایت مسکت اور مدلل مقالے شامل ہیں، جن میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید ہرگز بشری تصنیف نہیں ہو سکتا، بلکہ صحیفۂ آسمانی ہے۔ دوسرا ایڈیشن، ضخامت ۲۴۴ صفحات، قیمت غیر مجلد ۱/-، مجلد ۱۲/

مکتبہ اُمتِ مُسلمہ (ہند) امرتسر

محمد حسین پرنٹر و پبلشر نے اما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ امرتسر سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: عرشی